تاریخ افغان

Hist

میرا وطن

جمال الدّین افغانی

مترجم:- صاحب عاصمی

بار اوّل قیمت ۸؍

ناشر:-
نیشنل لٹریچر کمپنی لاہور

لالہ گوپالداس مالک نیشنل لٹریچر کمپنی نے پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس سے چھپوا کر شائع کی۔

پیش لفظ

جس طرح آفتاب کی روشنی کا اعتراف نہ کرنا ایک حیرت انگیز بات ہے۔ اسی طرح علامہ سید جمال الدین افغانی کی ذات گرامی کے متعلق ایک لمبا چوڑا تعارف سپرد کرنا سعی لاحاصل کے مترادف ہے۔

"میرا وطن" علامہ صاحب موصوف ہی کی ایک تصنیفِ لطیف کو پیرایۂ اردو میں جلوہ گر کیا گیا ہے۔ جہاں تک ترجمہ کی زبان کا تعلق ہے۔ میں نے حتی الامکان سلاست اور عالمانہ انداز کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔

چونکہ افغانستان کے جنگجو خطۂ ارضی کو حضرت علامہ ہی کے وطنِ عزیز ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے یہ کتاب اور بھی وقیع معلوم ہوتی ہے اگرچہ افغانستان کے تاریخی سوانح و کوائف بیشتر کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور اس موضوع پر کافی تصنیفات و تالیفات منصۂ اشاعت پر آچکی ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض یا تو بالکل جانبدارانہ ہیں یا غیر ملکی مورخین کی متعصبانہ ذہنیت اور بددیانتی کی آئینہ دار ہیں۔

"میرا وطن" پُر حقائق تاریخی حالات کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے۔ جس کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ کہ کس طرح محکومی کے مکروہ ماحول کی پروردہ قومیں احساسِ ہستی کر لیتی ہیں۔ ان کی عروقِ افسردہ میں غیرت و ایمان کی بجلیاں دوڑ جاتی ہیں۔ اور جب شیروں کی طرح انگڑائی لے کر بسترِ غفلت

سے دیوانہ وار اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کر سکتی اور زمانے کی کوئی ابلیسانہ چال انہیں دوبارہ پا بہ زنجیر نہیں کر سکتی ؛

"میرا وطن" ایک غیور قوم کی تنزل اور ترقی کی ایک ایسی داستان ہے۔ جس کے مطالعہ سے دلوں میں حب الوطنی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور تاریخ جیسا خشک مضمون کیف انگیز معلوم ہوتا ہے۔

راقم

صائب عاصمی

ابتدائیہ

افغان قوم غیرت، خودداری، عزت نفس اور حیرت انگیز شجاعانہ کارناموں کے باعث روئے زمین پر اپنی نظیر نہیں رکھتی یہی وہ غیرتمند صفات ہیں۔ جو کسی قوم کو حریت و استقلال کی زندگی ودیعت کرتی ہیں جس قوم سے یہ مفقود ہو جاتی ہیں وہ قوم غلامی کی فولادی زنجیروں میں جکڑ کر نامرادی کی منحوس فضا میں سانس لینے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔

انگریزوں نے لاکھ چالیں چلیں۔ اور اپنی بساطِ سیاست پر کئی شاطرانہ حیلوں سے کام لیا۔ لیکن وہ اس غیرت مند قوم کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے میں ہمیشہ ناکام رہے برطانیہ نے بارہا افغانستان کو للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور جوع الارضی کا دائم المرض ہو کر افغانوں پر چڑھائی کی لیکن ہر بار اُسے یہ سودا مہنگا پڑا کیونکہ جس قوم کی گھٹی میں آزادی پڑی ہو۔ وہ آزادی کی عسرت کو غلامانہ عشرت پر کیوں نہ ترجیح دے۔

افغان رعایا کی یہی غیرت و حمیت ہی تھی جس نے افغان امیر کو مجبور کر دیا کہ وہ برطانوی سفارت کو ایک لمحے کے لئے بھی قبول نہ کرے۔ اور اسے بلائے استحقار سے ٹھکرا دے۔ کیونکہ برطانوی سفارت نے ہماری کو ہاتھ سے دے دیا تھا۔ اور گذشتہ

مواعید کے فضائے آسمانی میں پرزے بکھیر کر دکھائے تھے۔ اور اب برطانوی سفارت کو شرف قبولیت بخشنا ماضی کے معاہدات کی صریح اہانت تھی۔ اگر برطانیہ میں ذرہ بھر بھی فہم فراست کا مادہ ہوتا۔ اور وہ ایک دنیا کو پابہ زنجیر کر لینے کے بعد عقل کا اندھا نہ ہو چکا ہوتا۔ تو وہ گذشتہ تلخ تجربات کی روشنی میں اپنے اقدام کا جائزہ لیتا۔ اور اپنی کھلی جہالت کا اعادہ کر کے جگ ہنسائی کا موقع فراہم نہ کرتا۔ کیونکہ اس سے پہلے افغانوں کے آباؤاجداد کے ہاتھوں برطانوی سفارت کی انتہائی تذلیل ہو چکی تھی۔ اور غیور افغانوں کی شمشیر خارا شگاف ان کے خون سے اپنے انتقام کی پیاس بجھا چکی تھی۔ تاریخ اس واقعہ کی شہادت دیتی ہے اور افغانستان کی فلک بوس پہاڑیاں زبانی خامشی سے اس قصہ پارینہ کو دہرا رہی ہیں۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اگرچہ افغانستان کے ملکی و معاشرتی حالات قبل ازیں مختلف کتب میں قلمبند ہو چکے ہیں لیکن افسوس کہ ان کتابوں کے تاریخی ماخذ متعصب انگریز مورخوں ہی کے مرہون منت ہیں۔ اس لئے وہ کتابیں کسی اعتبار سے بھی پایۂ ثقاہت پر پوری نہیں اترتیں۔ کیونکہ کسی قوم یا ملک کے تاریخی کوائف تحریر کرتے ہوئے انگریز مورخوں کا مقصد اعلیٰ یہی رہا ہے۔ کہ مشرقی اقوام انہیں پڑھ کر ظلمت و گمراہی میں پڑی رہیں۔ اور فریب کا جو پردہ انہوں نے دنیا کی نگاہوں کے سامنے گرا

دکھا ہے۔ بدستور گراد ہے۔ (سید جمال الدین افغانی)

افغان کی وجہ تسمیہ

جس طرح امتدادِ زمانہ سے بے شمار حقیقتیں مسخ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اسی طرح قوموں، شہروں اور ملکوں وغیرہ کے ناموں میں بھی تحریف و تنسیخ واقع ہو چکی ہے۔ اور اب ان کی اصلیت کے چہرے سے نقاب الٹنے میں گوناگوں دقتیں پیش آتی ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جب بخت نصر نے اس قوم پر چڑھائی کی اور اُسے قید کر لیا گیا۔ تو اس نے واویلا سے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ چونکہ رونے دھونے اور چیخنے چلانے کو زبان فارسی میں "افغان" کہتے ہیں۔ اس لئے ایرانی اس قوم کو اسی نام سے یاد کرنے لگے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ افغان شاؤل کے پوتے کا نام تھا۔ جو اُن کا جدِ اعلےٰ تھا۔ چنانچہ اہل فارس انہیں اوغان کہتے ہیں۔ ہندوستانی انہیں پٹھان کا خطاب دیتے ہیں۔ قندھار اور غزنوی کے بعض قبائل اپنے آپ کو پشتو اور پشتن کہتے ہیں۔ اور اکثر تاریخ کی کتب میں پشتان یا پشت بھی اس قوم کا مولد اصلی لکھا گیا ہے۔ اور "د" کی نسبت سے اسے پشتو بھی کہا گیا ہے افغان پٹھان اور اوغان آپس میں کافی مماثلت رکھتے ہیں۔ اور ان سب کی اصل ایک ہی معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے۔ کہ اس قوم کی سکونت پہلے پشتانی

یا پنیت میں بھتی۔ اور وہاں سے یہ یہاں اُٹھ آئی تھی۔ تو اس کا مسکن اصلی فلسطین قرار دیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ پنیت فلسطین ہی کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس اعتبار سے اس قوم کو بنی اسرائیل میں سے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

سلسلۂ حسب و نسب

چونکہ یہ قوم افغانستان کے قرب وجوار میں آباد ہو گئی ہے۔ اور مختلف قبائل کی شکل میں بٹ گئی ہے۔ اس لئے بلاشبہ افغانی قوم مختلف قبائل کے امتزاج کا نام ہے۔ ان قبائل میں سے عبدل، کاکڑا، غلجی، وزیری، یوسف زئی، محمد زئی، مہمند، آفریدی اور بنگش وغیرہ قبائل قابل ذکر ہیں۔ اور بعض قبیلے اپنی جائے سکونت کے نام سے معروف ہیں۔ مثلاً کری، خوشی اور باجوڑی۔ ہر قبیلے کی متعدد شاخیں ہیں۔ اور ان ہی کے نام سے وہ مشہور ہیں۔ مثلاً توخی، خٹک، سلیمان خیل اور باخیل غلجی کی شاخیں ہیں۔ بائزائی علی کوزی) علی زی اور بامیزی عبدل کی شاخیں کہلاتی ہیں۔ اسی طرح افغانی قوم مختلف قبیلوں۔ شاخوں اور بطون کی صورت نظر آتی ہے۔ اور ان سب کی اصلی پشتانی یا پشتوی ہے۔

اس قوم کی اصل کا مسئلہ مورخین کے نزدیک مابہ الاختلاف ہے۔ بعض مورخ تحریر کرتے ہیں کہ یہ قوم بحر خزر سے تعلق رکھتی ہے۔ جو بحر کے کنارے آباد ہے۔ چونکہ یہ لوگ ایرانی سرحدات پہ حملے کرتے تھے۔ اور لوٹ مار کا بازار گرم

تھا۔اس لئے ایرانی شہنشاہ نے اپنی حدود مملکت سے خارج کر دیا۔ اور یہ مشرقی خراسان کی طرف اُٹھ آئے۔ لیکن تاریخ اس واقعہ کی تصدیق میں مہر بہ لب ہے۔ بعض نے اس قوم کو امیر تیمور گورگان کی نسل سے ظاہر کیا ہے۔ لیکن اس مضحکہ خیز امر سے کوئی ہوشمند مورّخ اتفاق نہیں کر سکتا۔ کیونکہ امیر تیمور سے صدیاں پہلے یہ قوم افغانستان میں آباد تھی۔ چنانچہ یہ رائے کسی صورت میں بھی حقیقت پر مبنی نہیں ہو سکتی۔ بعض لوگ اسے ضحاک کی اولاد بتاتے ہیں جس کے کاندھوں پر دو سانپ تھے۔ جو بظاہر دو مستے تھے۔ ضحاک کی شخصیت قدیم افسانوں میں ایک اعجوبہ روزگار ہستی تسلیم کی گئی ہے۔ اکثر مورّخین کا قول ہے۔ کہ افغان کی رگوں میں اہل سیریا یعنی کلدانیوں کا خون جوش مار رہا ہے۔ چنانچہ ایک یورپین مورّخ نے زبان پشتو کو کلدانی زبان کے قریب قریب ظاہر کیا ہے۔ اور اس کا دعویٰ ہے۔ کہ اس میں کلدانی زبان کے اکثر الفاظ ملتے ہیں۔ جو افغانوں کو کلدانی النسل ظاہر کرنے کا روشن ثبوت ہیں۔ بعض تاریخ نویسوں نے لکھا ہے۔ کہ افغان مصری قبطیوں کے جگر پارے ہیں۔ اور جب بادشاہ سوز سرزمین ہندوستان پر فوج کشی کرنے کے لئے آیا۔ تو اس کے لشکر میں اس قوم کی خاصی تعداد تیغ آزمائی میں شریک تھی۔ اور اس نے خوب خوب داد شجاعت دی تھی۔ اکثر مورخوں کا خیال ہے کہ یہ اسباطِ بنی اسرائیل سے ہیں۔ بخت نصر نے ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کرنے کے بعد انہیں کوہستان غور یا غور میں آباد کیا تھا۔ اور انہوں نے اپنی

اس جدید بستی کا نام شام کی ایک رنگین وادی غور کی یاد میں غور رکھا تھا۔ جو اُن کا مولدِ اصلی تھا۔ اور اُن کا نام بخت نصر کی نسبت سے بختو ہوگیا اور رفتہ رفتہ ان کی آبادی میں روز افزوں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ مذہبی مناسبت کی بنا پر اُن کے اور عرب کے یہودیوں کے درمیان سلسلہ مراسلات بھی جاری تھا۔ چنانچہ جب عرب میں توحید کا آفتاب طلوع ہُوا۔ اور عرب کے یہودی مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنا ایک آدمی جسکا نام خالد تھا۔ افغانستان میں بھیجا۔ انہوں نے اپنے بہت سے سردار اُس کے پاس بھیجے۔ جو اس کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان سرداروں میں سے ایک شخص قیس بھی تھا۔ جسکا سلسلۂ نسب ۴۷ پشتوں کے بعد اسباط بنی اسرائیل اور ۵۵ پشتوں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا تھا۔ جب خالد مراجعت فرمائے عرب ہُوا۔ تو افغانستان کے نومسلم سرداروں کی اس مختصر جماعت کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا۔ آنحضرت نے ان سب پر اور قیس پر خاص طور پر نظرِ عنایت مبذول فرمائی۔ اور اس کا پہلا نام بدل کر اسلامی نام عبدالرشید رکھا۔ اور اسے امیر کا لقب مرحمت فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ کہ اس لقب کا استحقاق اسی کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ ملوک بنی اسرائیل میں سے ہے۔

چنانچہ جب آنحضرتؐ نے مکہ پر چڑھائی کی۔ اُسوقت عبدالرشید مع اپنے رفقاء کے شریک کارزار تھا۔ اور اس کی جماعت نے شجاعت آفریں کارنامے

سر انجام دیئے تھے۔ اور مردانگی کے حیرت انگیز جوہر دکھلائے تھے۔ جنہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنظر استحسان دیکھا۔ ازاں بعد عبدالرشید اپنی جماعت کو ساتھ لے کر اپنے وطن افغانستان کو لوٹا۔ آنحضرت نے خیر و برکت کی دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا۔ اور اس کے ساتھ مدینہ کے کچھ عرب بھی بھیج دیئے۔ تاکہ افغانستان پہنچ کر مذہب اسلام کی اشاعت کر کے شعائرِ دین حقیقی قائم کریں۔ قیس نے اہل وطن کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ اس کی کوششیں بہت ثمر آور ثابت ہوئیں اور افغانستان کے تمام لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ قیس نے سن ۴۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ وفات کے وقت اس کی عمر چالیس برس تھی۔ اور اس کے تین لڑکے تھے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے۔ کہ قیس کا سلسلۂ نسب شاؤل سے جاملتا ہے۔ قیس وہ مرد مجاہد تھا جس نے سب سے پہلے افغانستان میں اسلام قبول کیا تھا۔ اور اسے حضرت محمدؐ کی صحبت میں بھی شریک ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ اس لئے افغانستان میں اس کا نام اب تک نہایت عقیدت و احترام سے لیا جاتا ہے اور افغانستان کے مردان غیرت مند اپنا سلسلۂ نسب اس تک ملانے میں انتہائی افتخار کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کے پاس ایک شجرہ موجود ہے۔ جس کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ قوم بنی اسرائیل کی اولاد ہے۔ افغان اس شجرے کو نہایت معتبر سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ کس قدر حیرتناک بات ہے۔ کہ افغان قوم کی زبان پشتو اور بنی اسرائیل کی زبان عبرانی میں ذرہ بھر مشابہت نہیں پائی جاتی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ افغان قوم اصل میں ارمی الاصل ہے۔ اور ارمینوں کی ایک شاخ سے وابستہ ہے۔ ارمی پہلے شیروان میں آباد تھے جسکا قدیمی نام پان ہے۔ یہ لیٹائے اس امر سے درخور اعتنا و تائید ہے۔ کہ مقام قراباغ میں جو شیروان سے ملحق ہے۔ آجتک اس کو قندسار کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس ملک کے سردار اغوانح کے لقب سے مشہور ہوتے ہیں جس کے معنی سردار کے ہیں۔ جو ارمی تسگنجفہ دیوانی نجمول اور میگلان کے رہنے والے ہیں۔ وہ اب تک ارغوانح کے اختیار کردہ لقب کو سرمایۂ صد افتخار سمجھتے ہیں چنانچہ یہ عین ممکن ہے۔ کہ افغان اغوانی ہی کی مسخ شدہ شکل ہوگی۔

ہو سکتا ہے۔

اور کہ جب سردار قندسار نے اپنے ملک کو ٹکڑے کر کے قندہار کو اپنا مسکن قرار دیا ہو۔ تو اپنی جائے سکونت کا نام بھی قندسار رکھ دیا ہو۔ جو بعد میں بگڑ کر قندہار رہ گیا ہو۔ قندہار کی قدامت پر مہابھارت کے قدیم ترین افسانے بھی روشنی ڈال رہے ہیں۔ افغانوں کی بعض عادات اب تک ان کے ارمی النسل ہونے کی گواہی دے رہی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی روٹیوں پر صلیب کا سا نشان بناتے ہیں اگرچہ متذکرہ بالا رائے قیاس میں نہیں آسکتی۔ اور کافی حد تک تصدیق طلب ہے۔ تاہم اس سے مورخ کی وسیع النظری کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے کچھ لوگوں کا حسنِ ظن ہے کہ افغان قوم قدیم الایام ہی سے ان پہاڑ ...

میں سکونت پذیر ہے۔ اور جب سکندر رومی اس راہ سے گذر رہا تھا۔ تو یہی قوم اس کے ساتھ نبرد آزما ہوئی تھی۔ دارا گشتاسپ شاہ فارس کے عہد حکومت میں یہ موجود تھی۔ اور ان کا ایک صوبہ سیستان شاہنامہ کے مشہور پہلوان رستم کے زیر اختیار تھا۔ جسے یہ ہر سال دس گائے کے چمڑے خراج کے طور پر پیش کرتی تھی۔ لیکن آخر اس نے سرکشی اختیار کی۔ اور یہ خراج دینا بند کر دیا۔ رستم کو اس پر سخت طیش آیا۔ اور اُس نے اسے بزور شمشیر دوبارہ مطیع کر لیا۔

لیکن ہماری رائے صائب یہ ہے۔ کہ افغانی ایرانی الاصل ہیں۔ اور اُن کی زبان بھی ان کی زبان کے مشابہ ہے۔ جو ایران کی ایک قدیم زبان ہے۔ چنانچہ پچھلے زمانہ کے بعض مورخین بھی ہمارے ساتھ متفق بالرائے ہیں۔

"افغانی حکومت"

شجاعت، دلیری اور آزادی کے عناصر سے اس قوم کا خمیر اٹھایا گیا ہے یہ ابتدا ہی سے ایک جنگجو اور شمشیر آزما قوم ہے۔ چنانچہ تاریخی شواہد کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے۔ کہ اُس نے کبھی غیر ملکی حکومت کا تسلط گوارا نہیں کیا۔ اگر کوئی حکومت ہنگامی طور پر افغانوں کو مغلوب بھی کرتی رہی ہے۔ تو اُس کا حکمران ایک لحظہ کے لئے بھی اس کی طرف سے مطمئن ہو کر تخت حکومت پر نہیں بیٹھ سکا۔

ہے جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

اکثر افغانی قبائل اپنی جنگجویانہ فطرت سے مجبور ہو کر آپس ہی میں دست و گریبان رہتے نظر آتے ہیں۔ وہ کچھ عرصہ تک کے لئے نچلے بیٹھے ہیں۔ کہ لڑائی بھڑائی کا کوئی ادنیٰ موقعہ تلاش کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی جنگی سپرٹ کو برقرار رکھتے ہیں چنانچہ اس وقت جبکہ چنگیز خان تاتاری، امیر تیمور گورگان اور محمود غزنوی نے پورے طور پر انہیں اپنا تابع فرمان بنالیا تھا۔ یہ اکثر سرکشی پر اتر آتے رہے۔ اور ان باجبروت بادشاہوں کو بھی آرام سے تخت حکومت پر بیٹھنے نہ دیا۔ اور یہی حال اُس وقت بھی تھا۔ جب افغانستان ہندوستان اور فارس کے تاجداروں میں منقسم تھا۔ یہ لوگ بغاوت کی آگ کو مشتعل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ اور اکثر ان بادشاہوں کو ان کی گوشمالی میں وقت عزیز صرف کرنا پڑتا تھا جیسے کہ محمود غزنوی کے زمانے میں اُن کے ایک قبیلہ خلجی نے غزنی پر دھاوا بول دیا تھا۔ اور کچھ عرصہ تک لوٹ مار کی گرم بازاری رہی تھی۔ اور غزنی پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ اور اسی قبیلہ کی ایک جماعت نے دہلی میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی جب شاہ عباس کبیر نے قندھار پر فوج کشی کی۔ تو قبیلہ خلجی اور عبدل اس کے مطیع ہو گئے۔ اور بادشاہ قندھار میں اپنی طرف سے ایک شخص اُن کا حاکم مقرر کر کے واپس ایران چلا گیا۔ لیکن اس کی طرف سے جو شخص حکمرانی کر رہا تھا۔ اُس نے

رعایا پر بے طرح مظالم کرنا شروع کر دیئے جس سے ہر دو قبائل کے لوگ اُس سے نفرت کرنے لگے۔ اور آخر قبیلہ عبدل سے ایک بیدار مغز شخص بادشاہ کے دربار میں بھیجا گیا۔ تاکہ حاکم کے خلاف شکایات بیان کرے۔ اُس شخص نے کچھ اس لسانی اور انداز خطابت کیساتھ اپنی شکایات گوش گذار ہیں۔ کہ بادشاہ کے دِل پر گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کی درخواست کو قابل اعتنا سمجھتے ہوئے حاکم مذکور کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک اور شخص مقرر کر دیا۔ وہ شخص اپنی رعایا میں اتنا ہر دلعزیز ثابت ہوا۔ اور اس کے عہد حکومت میں رعایا اتنی مرفعہ الحال ہو گئی کہ افغان قوم نے سوچا کہ حکومت ہمیشہ اسی کے خاندان کے ہاتھ میں رہے

جو شخص بادشاہ کے دربار میں نمائندہ کی حیثیت سے حاضر ہوا تھا۔ اس کا نام سدو تھا۔ وہ بہت نیک اور لائق شخص تھا۔ اس کے خاندان کو اتنی ترقی ہوئی۔ اور اس کی اولاد نے وہ فروغ پایا کہ مستقل طور پر ایک سدوزئی قبیلے کی بنیاد پڑ گئی۔ جس میں سے احمد شاہ نے کافی شہرت حاصل کی اسوقت ایران کی حکومت سلطان حسین کے ہاتھ میں تھی۔ جو خاندان صفویہ کا آخری بادشاہ تھا۔ اچانک قبیلہ غلجی نے فتنے کا سر اُٹھایا۔ اور آناً فاناً بغاوت کی آگ کے فلک بوس شعلے تمام ملک میں بلند ہو گئے۔ بادشاہ نے بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ہزار جتن کئے مگر بغاوت دُور ہونے کی بجائے زیادہ ہوتی گئی۔ بادشاہ نہایت مشوش ہوا آخر اُس نے جرجین کو قندھار کا حاکم بنا کر بھیجا۔ جرجین گرجستان کا رہنے والا

اور پہلے بادشاہ نے اسے گرجستان کا حاکم مقرر کیا تھا۔ مگر اس نے سرکشی اختیار کی تھی۔ وہ نصرانی مذہب کا پرستار تھا۔ لیکن اب مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اسطرح اپنی گذشتہ خطاؤں کی تلافی کرا چکا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے اُسے بے شمار لشکر جس میں آزمودہ کار گرجستانی بھی شریک تھے دے کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس کی باغیوں سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ اور انہوں نے ایک خونریز جنگ کے بعد اطاعت قبول کر لی۔ مگر جرجین گرجستانی جذبۂ انتقام سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس لئے اُس نے بڑے بڑے معتبر سرداروں کو چُن چُن کر تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ اسقدر مظالم روا رکھے۔ کہ ہلاکو اور چنگیز کے دورِ ستم رانی کی یاد تازہ ہو گئی۔

آخر رعایا نے تنگ آ کر کئی سفیر اور نمائندے بادشاہ کے پاس بھیجے۔ انہوں نے بادشاہ کے دربار میں رسائی حاصل کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نا رکھی مگر جیسا کہ اکثر مشرقی سلاطین کے درباروں میں باریابی کے مواقع ہی نصیب نہیں ہو سکتے اس لئے مظالم کا بھی کوئی خاطر خواہ علاج نہیں ہو سکتا۔ وہ بے نیل مرام قندہار لوٹ آئے۔ اب جب جرجین کو معلوم ہوا۔ کہ رعایا کی طرف سفیر گئے تھے۔ اور اپنا سا منہ لے کر آ گئے ہیں۔ تو اُس نے اور بھی ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اور رعایا کو طرح طرح کی اذیتیں دینے لگا۔ سرداروں کو بے طرح دق کرنا شروع کر دیا۔ جو سردار اُس کے ہدف تیر ستم تھے۔ ان میں ایک میرویس نامی ذی احترام سردار بھی تھا۔ یہ شخص قندہار بھر میں نہایت صاحب اثر و رسوخ اور شہر کا محافظ تھا۔

لوگ اُس کے حسن اخلاق فہم و فراست اور حسن تدبیر کے معتقد تھے۔ اور ان کے دل میں اسکا حد درجہ احترام تھا۔ جب حرجین نے میر ولیس کو بھی اپنا نشانۂ ظلم بنانا شروع کیا۔ تو رعایا برافروختہ ہو گئی۔ اس نے میر ولیس کو پا بہ زنجیر کر کے دارالسلطنت ایران (اصفہان) بھیج دیا۔ اور حکومت کے ارباب اختیار کو لکھا۔ کہ یہ شخص تمام تر فتنہ و فساد کا بانی اور بغاوت کا پیرو ہے۔ اس لئے جب تک یہ کابل دور نہ ہو گا۔ ملک کے مطلع پر بدامنی کی گھنگھور گھٹائیں مسلط رہیں گی۔ چونکہ میر ولیس ایک ذہین شخص تھا۔ اس لئے اُس نے اصفہان پہنچنے کے کچھ دنوں بعد طرز حکومت امرا کی ہوس جاہ طلبی، وزرا کا نفاق الغرض دربار کی تمام فضا کا بغور مطالعہ کیا اور جو لوگ دربار میں حرجین کے دوست اور معاون تھے۔ انہیں اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اور رشوت دے دے کر بہت سے ارباب حکومت کو اپنے ہمنواؤں میں شامل کر لیا۔ یہاں تک کہ اُسے ایک دن بادشاہ کے حضور بھی باریابی کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اور اس نے تمام مقاصد تفصیلاً بادشاہ کو سنائے۔ اور اپنی غیر معمولی فطانت سے اُس کے دل پر قبضہ کر لیا۔ اور چند روز کے بعد اراکین حکومت کے زمرے میں شمار کر لیا گیا۔

استخلاص وطن

امیر ولیس نے سب ارباب سلطنت کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ اس لئے اگر

اب وطن قندھار کو لوٹ آنا۔ تو اُسے کچھ دشوار نہ تھا۔ مگر وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے منتظر تھا۔ کہ دیکھیں پردۂ غیب سے کب سازگار حالات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جن کی رہنمائی میں افغانستان کو دوسروں کی غلامی سے نجات دلائی جائے جب اُسے حکومت ایران کی بدانتظامی کا پتہ چلا۔ تو اُسے اپنی تمنائے دلی کے بر آنے میں کچھ یقین کی سی صورت نظر آنے لگی۔ وہ بخوبی واقف تھا۔ کہ یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اس لئے اس میں تعجیل کی بجائے صبر و استقامت سے کام لینا ضروری ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اس نے بادشاہ سے حج کی اجازت طلب کی۔ اور جب وہ مکّہ معظّمہ پہنچا۔ تو اُس نے مناسب سمجھا۔ کہ چونکہ ایران کی سلطنت شیعی ہے۔ اس لئے علمار کرام سے ایسے فتوے حاصل کرنا چاہئیں۔ جن کی رُو سے شیعوں کے ساتھ جہاد کرنا جائز قرار دیا جائے تاکہ وہ ان فتووں کی وساطت سے اپنی قوم کے منتشر شیرازے کو مرتکز کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ لہٰذا وہ بہت سے فتووں کے حصول میں کامیاب ہو گیا۔ اور حج کا فریضیہ ادا کرنے کے بعد اصفہان کو لوٹا۔ اور بدستور بادشاہ کا ایک مخلص رکن سلطنت بن کر رہنے لگا۔

چونکہ میرویس اپنے دل میں استخلاصِ وطن کا پاکیزہ جذبہ رکھتا تھا اس لئے قدرت کو بھی اس کی معاونت منظور تھی۔ چنانچہ حُسنِ اتفاق سے ان دنوں ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہُوا جس نے میرویس کی تمناؤں میں یقین کا رنگ بھر

دیا۔ اور اُسے اپنے تیرہ نصیب وطن کے افق سے آزادی کی صبحِ اولیں طلوع ہوتی نظر آئی۔ یعنی ایک معمولی سا شخص جو بہت سی مشرقی زبانیں بول سکتا تھا۔ اور اپنے آپ کو سلاطینِ ارمن کی اولاد بتاتا تھا۔ اُسنے سلطنتِ عثمانیہ میں مملکت روس کی گرانقدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ پیٹرِ اعظم شہنشاہ روس کے دربار میں حاضر ہُوا۔ اور اپنی خدمات کے معاوضہ میں دربارِ ایران میں سفارت کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ اور مزید رعایت یہ کی گئی۔ کہ اس سفیر کا جس قدر تجارتی مال ہو اس پر چنگی کا محصول نہ لیا جائے۔ چنانچہ اس نے بہت سے ارمنی تاجروں کو اپنے ہمراہ ایران میں جانے کی دعوت دی۔ اور ایران کی طرف روانہ ہُوا۔ جب اُس نے حدودِ مملکت میں قدم رکھا۔ تو اہلِ ایران اُس کی ذی شان آمد پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ میر ویس نے موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ اور خفیہ اور ظاہری طور پر یہ پروپاگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ کہ عیسائیوں کا ارادہ ہے کہ گرجستان اور آرمینیہ کو شاہ ایران کی حکومت سے آزاد کرا لیا جائے۔ اور جرجین خان حاکم قندھار اس انقلابی سازش میں میر ویس کا پارٹ ادا کر رہا ہے۔ چونکہ جرجین خان نیا نیا مسلمان ہُوا تھا۔ اس لئے حکومت ایران اس کے اسلام لانے کو محض ایک سازشی ہتھکنڈہ تصور کرنے لگی۔ اور یہی خیال لوگوں کے دلوں میں بھی جاگزیں ہو گیا۔ میر ویس اپنے حصول مقاصد کے اس ذریعہ میں کامیاب ہو گیا۔ اور اربابِ حکومت نے جرجین خان سے انتقام لینے کی ٹھان لی لیکن وہ قندھار میں کافی طاقت کا مالک تھا۔ اور اُس نے

بہت زیادہ اثر قائم کر رکھا تھا۔ اس لئے حکومت ایران براہ راست اس کے خلاف کوئی کارروائی کرتے ہوئے بھی متذبذب تھی۔ کیونکہ اندیشہ تھا۔ کہ وہ باغی ہو جائیگا۔ بہرحال میر ویس کو اپنے وطن واپس بھیجدیا گیا۔ تاکہ جب حکومت جرجین کے خلاف کسی مہم کا آغاز کرے۔ اور وہ باغی ہو جائے۔ تو میر ویس اس کے خلاف نبرد آزما ہو کر آتش بغاوت کو فرو کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

قندہار میں

جب میر ویس نے اپنے وطن عزیز میں قدم رکھا۔ تو جرجین غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور اس کے قتل کرنے کی تدابیر میں غلطاں رہنے لگا۔ کیونکہ جب میر ویس ایران میں اس کے خلاف اپنی من مانی کارروائیاں سرانجام دے رہا تھا۔ اور اس کے زوال کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا تھا۔ اسے سب اطلاعات کی خبر ہوتی رہتی تھی۔ جرجین کو سوجھی۔ کہ میر ویس کی لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے سے کرانے کے لئے کہلا بھیجے اور اگر وہ ارشاد کو قبول نہ کرے۔ تو اسے تلوار کے گھاٹ اتار دے۔ چنانچہ اس نے میر ویس کے پاس کہلا بھیجا۔ کہ اپنی لڑکی میرے لڑکے کے نکاح میں دیدے میر ویس سنتے ہی بھانپ گیا۔ کہ اسے ہلاک کرنے کی چالیں چلی جا رہی ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کو مدعو کر کے اس کے ناپاک ارادوں سے آگاہ کیا۔ تو سب افغانی غصے اور انتقام کے جذبے کے زیر اثر آتش زیر پا

رہ گئے۔ اور بالاتفاق اُسے اپنی عزت وآبرو کو محفوظ رکھنے کی صلاح دی کیونکہ جرجین کے پیغام میں جبر وظلم کا پہلو نمایاں تھا۔ میر ولیس نے اپنی قوم کے بڑھتے ہوئے ولولوں کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ اور اُن سے کہا۔ کہ "وقت کے تیور کہتے ہیں کہ صبر واستقامت کا دامن ہاتھ سے نہ دو۔ اور صورت حالات اس امر کی مقتضی ہے۔ کہ سنیر کو عالم خواب میں ہلاک کر دیا جائے۔ میں عنقریب جرجین کے خون سے انتقام کی پیاس بجھاؤں گا۔"

میر ولیس کا یہ جذبہ دیکھ کر سب قوم بھی نہایت مسرور ہوئی۔ اور سب نے روٹی نمک اور قرآن پر قسمیں کھائیں۔ کہ وہ اس کی اعانت کرنے میں دریغ نہیں کریں گے اس کی اطاعت پر قائم رہیں گے۔ اور جو شخص اس سے منحرف ہوگا اس کی بیوی پر تین طلاق۔"

میر ولیس کے گھر میں ایک خوبصورت خادمہ تھی۔ جسے بچپن ہی سے پالا گیا تھا۔ میر ولیس نے اُسے اپنی لڑکی بنا کر جرجین کے پاس بھیجدیا۔ چنانچہ اس کا نہایت احتشام سے میر ولیس کے لڑکے سے نکاح کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی نہایت خندہ پیشانی کا اظہار کیا۔ اور اُسے یقین آگیا۔ کہ میر ولیس اپنے دل میں اُس کے خلاف ذرہ بھر بھی جذبۂ عداوت نہیں رکھتا۔ اس لئے جرجین نے اسے اپنا ایک جانثار معتقد بنا لیا۔ اب میر ولیس اور جرجین کے تعلقات بظاہر نہایت خوشگوار تھے۔ نیز یقین کے باہمی طرز سلوک سے کسی قسم کی رنجش ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ مگر

میروِیس نہایت بے صبری کیساتھ موافق حالات کا منتظر تھا - اور انتقام کی آگ اس کے دل میں سلگ رہی تھی - آخر ایک روز شہر کے باہر ایک باغ میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام عمل میں لایا گیا - جرجین خوشی خوشی دعوت میں شریک ہوا - مگر قضا اُس کے سر پر کھیل رہی تھی -

چنانچہ اس دعوت میں جرجین اور اُس کے رفقاء کار کو موت کی شراب کے ساغر پلائے گئے - اور میروِیس نے ساقی گری کا کھیل کھیلا - میروِیس نے جرجین کا لباس اُتارا اور خود زیب بدن کر لیا - اس کی فوج نے "جرجین" کے لشکر کی وردی پہن لی اور مغرب کے بعد شہر کا رُخ کیا - اور اچانک قلعہ پر دھاوا بول دیا - سب محافظ بوکھلا گئے اور موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے - اس اثنا میں میروِیس کے ساتھ افغانوں کی وہ جمعیت بھی شریک ہو گئی - جسے شہر کے باہر ایک محفوظ مقام پر چھپا دیا گیا تھا -

جرجین کے تمام لشکری نہ تیغ کر دیئے گئے - اور صرف وہی اپنی زندگیاں سلامت لے گئے جنہوں نے راہِ فرار اختیار کر لی تھی - قلعہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد اعلان کر دیا گیا - کہ جو شخص جرجین کے کسی سپاہی کو پناہ دیگا - اُسے ہرگز امن نہ دیا جائے گا !

جرجین خان کو موت کے گھاٹ اُتار دینے کے بعد میروِیس چھوٹے چھوٹے دشمنوں سے اپنی مقدس سرزمین کو پاک کرنے کی طرف متوجہ ہوا - جرجین نے

پانچ سو سواروں کی ایک مختصر سی جمعیت اطراف قندہار کے قبیلوں کو تسخیر کرنے کے لئے بھیجی ہوئی تھی۔ وہ اب لوٹ آئی تھی۔ اس کے ساتھ بے شمار مال غنیمت بھی تھا۔ جب وہ سوار قندہار پہنچے۔ تو میرویس کے لشکر نے ان کا توپوں اور بندوقوں سے استقبال کیا۔ اور ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کرنے شروع کر دیئے۔ جب انہیں حقیقت حال معلوم ہوئی۔ تو وہ جان توڑ کر لڑے اور نہایت پامردی سے تین روز تک مقابلہ کیا۔ یہ مختصر سی جمعیت آزمودہ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس لئے ان کو جلدی مغلوب کر لینا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ میرویس کے لشکر میں پانچہزار فوجی جوان تھے۔ جرجین کے سپاہی جو تھے روز سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اور خراسان جا کر دم لیا۔ وہاں جا کر ایرانیوں کو سب ماجرا سنایا۔

ایرانی سُنکر دہشت زدہ ہو گئے۔ اور افغانوں کا خوف اُن کے دلوں پر منقوش ہو کر رہ گیا۔ جب میرویس کا دستہ ہر قسم کے کیل کانٹوں سے لیس ہو گیا۔ تو اُس نے افغانستان کے جملہ سرداروں کو مدعو کیا۔ اور ان کے سامنے نہایت پُر جوش تقریر کی کہ اے افغانستان کے غیور باشندو! غلامی مذہب اسلام میں حرام ہے۔ اور آزادی ہی ہمارا دین ایمان ہے۔ غلامی کی سو سالہ زندگی سے آزادی کا ایک لمحہ ہزار درجہ بہتر ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم بھیڑوں کی طرح سو سال جینے کی بجائے شیروں کی طرح چند روز کی زندگی بسر کرنے کو اپنا منتہائے مقصود بنا لیں۔ اگر تم میرا ہاتھ بٹاؤ گے۔ تو ہم عنقریب اپنی گردنیں

محکومانہ ذلت کی قید سے آزاد کرالیں گے۔ اور آزادی کا علم اڑاتے ہوئے ایرانی شیعوں کی حکومت سے نجات پالیں گے۔

اس کے بعد میر ویس نے وہ فتوے نکالے۔ جو اس نے مکہ مکرمہ کے علماء کرام سے حاصل کئے تھے۔ اپنی قوم کو دکھلائے اور کہا کہ جو شخص ایرانیوں کی طرفداری کرتا ہے۔ اس کی غلامی میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ غدار ہے۔ اسے ہمارے ساتھ وطن میں رہنے کا متوقع نہ ہونا چاہئیے۔ کیونکہ ایسے شخص کا ہمارے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔

آزادی اور حریت کے پروانے کبھی اپنی ذاتی خواہشات کو ملحوظ خاطر نہیں لایا کرتے وہ قوم و وطن کی آزادی کو اپنی عزیز ترین چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور جان و مال کو محض قوم و وطن کی ایک امانت تصور کرتے ہوئے پروانہ وار شمع حریت پر جل بجھتے ہیں۔ اور اپنا نام رہتی دنیا تک لوگوں کے دلوں پر چھوڑ جاتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

اس کے مقابلہ میں غداران قوم و وطن اپنی ملت اور وطن کو بیچ کھاتے ہیں اور چند روزہ زندگی کے ناپائیدار عیش کو پیش نظر رکھتے ہوئے تاریخ کے صفحوں میں اپنے ناپاک نام ذلت و رسوائی کا نشانہ بننے کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔

تمام اکابر ملت نے میرویس کیساتھ اتفاق کا اظہار کیا۔ اور سوگند کے ساتھ اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

شاہ ایران اور میرویس

جب شاہ ایران افغانیوں کی بغاوت سے باخبر ہوا۔ تو بجائے اُس کے کہ وہ ایک عرار فوج باغیوں کی گوشمالی کے لئے روانہ کرتا۔ اس نے جامی خان کو میرویس کی تہدید کی غرض سے روانہ کیا۔ جامی خان نے قندہار پہنچنے کے بعد میرویس اور اس کے ہمراہیوں کو سلطنت ایران کی شوکت و عظمت کا حال سُنا کر مرعوب کرنا شروع کیا۔ اور میرویس سے کہا۔ کہ حکومت ایران کا دشمنوں کو قرار واقعی سزا دینا معمولی بات ہے۔ اس لئے تم اس سرکشی سے باز آجاؤ۔ اور تائب ہوکر موردِ مراحم خسروانہ ہو۔ میرویس کو اس پر اور غصہ آیا۔ اور کہا اگر حکومت میں یہ بل ہوتا۔ تو وہ تمہیں سفیر بناکر نہ بھیجتی۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ حکومت صرف عیش پرست ایرانیوں ہی کا ورثہ ہے۔ اور پہاڑوں میں بسنے والے جفاکش افغان اس سے بہرہ اندوز نہیں۔ یہ کہہ کر میرویس نے سفیر مذکور کو قیدی بنالیا۔ لیکن باایں ہمہ حکومت ایران خواب غفلت سے ذرا نہ چونکی۔ اور دوبارہ محمد خاں حاکم ہرات کو دوسرا سفیر بناکر ارسال کیا۔

یہ شخص میرویس کا دوست تھا۔ اس سے کہا گیا۔ کہ اگر تم میرے دوست

نہ ہوتے۔ تو میں تمہارے ساتھ بھی پہلے سفیر جیسا حشر کرتا۔ اور تمہیں ایک مجرم کی طرح قرار واقعی سزا دیتا۔ لیکن اب تم خوب سمجھ لو کہ بہادر افغان قوم اب دُوسروں کی محکومی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جو قوم ایک دفعہ محکومی کے فتراک سے آزاد ہو جاتی ہے دوبارہ محکوم نہیں بنائی جا سکتی۔ جو شیر پنجرے سے ایک بار رہا ہو جاتا ہے۔ وہ دوبارہ مقید ہونے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہو سکتا۔ اب جو تلواریں نیام سے نکل کر اپنی برہنگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ دوبارہ نیام کی زینت نہیں بنائی جا سکتیں۔ دیکھنا تمہارا بادشاہ ذلیل ہو گا۔ جو قوم دُوسری اقوام کو پابہ زنجیر کرتی ہے آخر ایک دن وہ بھی غلامی کی ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دی جاتی ہے اب تمہاری حکومت عنقریب تاخت و تاراج کر دی جائے گی

؎ دُنیا میں ٹھکانے دو تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا

یہ کہا اور اُسے بھی قید خانے کی ہوا کھانے کو بھیج دیا گیا۔

افغانستان اور ایران میں معرکہ آرائی

ایرانی سلطنت نے جب سفیروں کا یہ حشر دیکھا اور کوئی عربہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ تو اُس نے خراسان کے حاکموں کے نام احکام جاری کئے کہ ایک کثیر فوج کے ساتھ قندھار پر حملہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک جرار لشکر تیار کیا۔ اور

افغانوں پر جا چڑھے۔ افغان شیروں کی طرح لڑے۔ اور خراسانیوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ اب ایرانی حکومت کی آنکھیں کھلیں۔ اور دیکھا۔ کہ افغان وہ تر نوالا نہیں۔ جسے آسانی سے نگلا جا سکے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک زیردست لشکر تیار کیا۔ اور خسرو خان کو سر عسکر مقرر کیا۔ خسرو خان جرجین کا بھتیجا تھا۔ اور اپنے چچا سے بھی شجاعت میں فرو تھا۔ اُسے اس لئے سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ کہ اُسے اپنے چچا کے خون کا بدلہ جرأت و دلیری پر پورے جوش و خروش کے ساتھ اکسائے گا۔ اور وہ بھوکے شیر کی طرح لڑے گا۔

خسرو خان منزلیں مارتا ہوا قندھار پہنچا۔ اور فریقین کی فوجیں صف آرا ہوئیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لیکن میرویس کو ہزیمت ہوئی۔ اور خسرو خان نے قندھار کو محاصرہ کر لیا۔ شہر کے افغان محصور محافظین نے خسرو خان سے استدعا کی کہ اگر اُن کی جانیں محفوظ رہیں۔ تو وہ شہر کو چھوڑنے کے تیار رہیں۔ لیکن خسرو کو انتقام کے جذبے نے اندھا کر دیا تھا۔ اُس نے اُن کی درخواست کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ جب افغانوں کو کوئی چارہ کار دکھائی نہ دیا۔ تو وہ جان توڑ کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور ہر روز محاصرین پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ اُدھر باہر سے میرویس نے خسرو خان کی فوجوں کا ناطقہ تنگ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایرانی فوج سامان رسد سے محروم ہو گئی۔ اُن کے ذخائر بالکل ختم ہو گئے۔ اور وہ محاصرہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے۔ آخر کار

ایرانی لشکر جو بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ مارا گیا۔ اور صرف پانچسو ایرانی باقی بچے جو اپنی جانیں سلامت لے کر بھاگ نکلے۔

ایران کی دوبارہ فوج کشی

شاہ ایران افغان قوم کی ناگہاں جسارت پر پیچ و تاب کھانے لگا چنانچہ اس نے ایک دوسری فوج افغانوں کی گوشمالی کیلئے بھیجی جس کا سپہ سالار محمد رستم خان کو مقرر کیا لیکن اسے بھی بُری طرح شکست فاش کا سامنا ہُوا۔ اور میر ویس کی عملداری بلا شرکت غیرے قندہار کے علاقہ پر مستحکم ہو گئی لیکن کچھ عرصہ کے بعد میر ویس سے زندگی نے وفا نہ کی۔ اور وہ اپنے دل میں وطن عزیز کے بہت سے ارمان لئے راہی دیار بقا ہُوا۔ اور اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑ گیا بڑا لڑکا پورے ۱۸ برس کا نہ تھا۔ اس لئے افغانوں نے میر ویس کے بھائی امیر عبداللہ کو اُس کا جانشین منتخب کیا۔ جو اپنے بھائی کے مقاصد کی تکمیل کرنے میں ناکام ثابت ہُوا۔ اور حکومت ایران سے صلح کا ملتجی ہوا۔ جب اس کی قوم اُس کے ارادوں سے باخبر ہُوئی۔ تو اُس کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اور اسے سمجھایا بجھایا کہ اگر تم اپنے برادر عزیز کے لائحہ عمل پر گامزن نہیں ہو سکتے۔ اور ایرانیوں کے ساتھ مصروف پیکار رہنے کی ہمت نہیں۔ تو کم از کم اُن کے ساتھ صلح کرنے میں تو عجلت سے کام نہ لو۔

لیکن اُس کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ اُس نے قوم کے سرداروں کی سب باتوں کو سُنا۔ اور اپنے خاص نمائندوں سے صلح مشورہ کرنے کے بعد حکومت ایران کے دربار میں اُنہیں بھیج دیا۔ اور مندرجہ ذیل شرائطِ صلح کے لئے مرتب کی گئیں۔

(۱) صوبہ قندھار کو باجگذاری سے مستثنےٰ قرار دیا جائے۔

(۲) صوبہ مذکور میں ایرانی فوج موجود نہ ہو۔

(۳) حکومت افغانستان امیر عبداللہ کی نسل میں رہے۔

جب افغانی سرداروں نے مندرجہ بالا شرائط کے متعلق سُنا۔ تو وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ اور اُن کے دل میں اُس کی جو رہی سہی تکریم تھی اب وہ بھی نہ رہی۔ میر ویس کے بڑے لڑکے محمود نے اپنے چچا سے انتقام کی ٹھانی کیونکہ عبداللہ اس کی نظر میں ایک غاصب بھی تھا۔ چنانچہ اُس نے چالیس گرگ باراں دیدہ افغانوں کے ساتھ اتفاق کیا۔ اور اپنے چچا کے گھر میں بلائے ناگہانی کی طرح داخل ہوا۔ اور اُسے ذبح کر ڈالا۔ اور افغانوں نے اُسے شاہ قندھار بنا کر اپنا حاکم بنا لیا۔

ہرات میں بغاوت

جن دنوں قندھار میں غلجی حکومت قائم ہو رہی تھی۔ انہی دنوں ہرات

میں حکومت ایران کے خلاف بغاوت رونما ہوئی۔ اور افغانوں کے ایک قبیلہ عبدلی کا ایک سردار اپنے علمِ بغاوت کے نیچے جنگجو افغانوں کی کثیر جمعیت جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے قبیلۂ ازبک کی بعض جماعتوں کے سردار بھی اپنے ساتھ شامل کر لیئے۔ اس کا نام آزاد خان تھا۔ شاہی حکومت نے اس کی تادیب کیلئے تیس ہزار فوج روانہ کی جسکا سپہ سالار صفی قلی خاں تھا۔ اُدھر آزاد خاں بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مقابلے پر نکلا۔ صُبح سے دوپہر تک خونریز جنگ جاری رہی مگر دونوں طرف سے پلہ برابر رہا۔ غالب اور مغلوب اور فاتح مفتوح میں کوئی امتیاز نہ ہو سکا۔ لڑائی کی افراتفری اور جنگ کی شدت سے ایرانی توپ خانہ مخبوط الحواس سا ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے اپنی پیدل فوج کو افغانی سپاہ خیال کرتے ہوئے اس پر گولہ باری کرنا شروع کر دی۔ ایرانی فوج نے سمجھا کہ یہ بھی ہمارے توپ خانے کی کوئی سیاسی چال ہے۔ کیونکہ افغانوں کے پاس توپ خانہ تو تھا نہیں۔ اس لئے انہیں یقین ہو گیا۔ کہ ہمارے توپ خانے کی یہ حرکت خلاف مصلحت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سب ایرانی فوج نے تتر بتر ہو کر راہ فرار اختیار کی۔ اس انتشار میں ایرانیوں کے آٹھ ہزار آدمی کھیت رہے۔ جن میں صفی قلی خاں خود اور اُس کا بیٹا بھی داخل ہے۔ بہت سا ایرانی اسلحہ اور بیس توپیں افغانوں کے ہاتھ آئیں جنہیں وہ چھوڑ کر نو دو گیارہ ہوئے تھے۔ اب صوبہ ہرات مکمل آزاد خان کے قبضہ و اختیار میں تھا۔ اور وہاں عبدالی حکومت کا قیام

عمل میں لایا گیا۔ اس طرح دو صوبوں پر افغان حکومت مسلط ہو گئی۔

ایرانی حکومت کا دورِ پُر آشوب

مقدر جب ہو برگشتہ کسی کی کچھ نہیں چلتی
جو سچ پوچھو تو دنیا میں مقدر کی ہیں سب باتیں ۔ صائب عاصمی

ایرانی حکومت کی بدنظمیوں نے اُسے یہ دن دکھائے۔ کہ اس کے مقبوضات کے گوشے گوشے میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ ادھر افغان قبائل نے اپنی گردنوں سے طوقِ محکومی اُتار پھینکا۔ اور اُدھر کے عربوں اور کُردی سُنیوں نے بغاوت کے جھنڈے بلند کر دیئے۔ اور ہر دو نے ایرانی حکومت کے مقبوضات پر فوج کشی کر کے انہیں اپنے قبضہ میں کر لیا۔ کُردی سُنیوں نے یہاں تک زور پکڑا کہ ایرانی سلطنت کے پایۂ تخت اصفہان کی فصیلوں تک جا پہنچے۔ اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے شاہی فوج کا قافیہ تنگ کر دیا۔ اسی طرح مسقط کے عربوں کے حوصلے بھی یہاں تک بڑھے۔ کہ وہ فارس کے جزیروں اور ساحل خلیج کے متعدد مقامات پر قابض ہو گئے۔

جب کوئی حکومت غرورِ سطوت کے نشہ میں چُور ہو کر رعایا کی فلاح و بہبود کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ اور اس کے عمال گوناگوں مظالم روا رکھنے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ تو ستم رسیدہ رعایا کو بھی اپنی ذلت کا پورا پورا

احساس ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ قانونِ فطرت اس امر کا مقتضی ہے کہ اپنے
رد عمل کے نظام کو برقرار رکھے۔

جب محمود نے شاہ ایران کا عالم بے چارگی محسوس کی۔ اور نظامِ حکومت
میں کئی بے اعتدالیاں دیکھیں۔ تو اس کے دل میں ایران کا تاج و تخت حاصل
کرنے کی آرزو مچلنے لگی۔ چنانچہ وہ اس غرض کے لئے کرمان کے راستے سے
اصفہان میں داخل ہونے کی تیاریاں کرنے لگا۔ آخر وہ اپنی عمل میں آئی کرمان
کا راستہ نہایت کٹھن تھا۔ کیونکہ چارہ اور پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اسلئے
اہل کرمان بھی مطمئن تھے۔ کہ ہم پر کون حملہ کرے گا۔ مگر جب محمود برق خاطف
بن کران پر جا گرا۔ تو وہ حواس باختہ ہو گئے۔ اور کرمان جنگ و پیکار کے بغیر
آسانی سے محمود کے قبضے میں آگیا۔ چنانچہ محمود نے غالب حکمرانوں کی دیرینہ
اور مشہور عادت کے پیش نظر رعایائے کرمان پر بے پناہ مظالم کرنا شروع
کر دیئے۔

جب شاہ ایران کو محمود کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کی خبر ہوئی۔ تو اس نے
ایک جرار لشکر اس کی تادیب کے لئے روانہ کیا۔ جس کی قیادت لطف علیخاں
کو تفویض ہوئی۔ جو شہر عباس پر حکمرانی کرتا تھا۔ اُسے حکم دیا گیا کہ ملک
کی حدود سے افغانوں کو نکال باہر کرے۔

لطف علی خاں افغانوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے میدان کارزار

میں نکلا۔ راستے کی مسافت کے باعث افغانوں پر تکان پوری طرح غالب تھی اس لئے وہ پہلے حملہ ہی میں ہمت ہار کر بھاگ نکلے۔ اور راہ میں کسی جگہ دم نہ لیا لیکن اہل کرم ایک مصیبت سے چھٹکارا پاتے ہی دوسری میں گرفتار ہو گئے۔ کیونکہ افغانی فاتحین سے زیادہ شاہی افواج نے اُن پر ظالم کئے۔

شگون بد

محمود نے قندھار میں پہنچ کر اصفہان پر دوبارہ حملہ کرنے کی تجویزیں سوچیں جب لطف علی خاں کو اس کے آئندہ ارادوں کی خبر ہوئی۔ کہ محمود شاہ دوبارہ حملہ کرنیوالا ہے۔ تو اُس نے فوجیں جمع کرنا شروع کیں۔ اور ایک فوج جرار کے ساتھ قندھار پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کرنے لگا لیکن اُس نے فوج کے لئے ضروری سامان رسد و حرب کی فراہمی میں رعایا پر اسقدر مظالم کئے۔ کہ تمام لوگ اس کی طرف سے برگشتہ ہو گئے یعنی جبری طور پر اُن کا مال و متاع ضبط کر کے اس پر فوجی قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ اور زبردستی اُن کے جانوروں سے کام لیا جاتا تھا ان اسباب کی بنا پر اس کے خیر خواہوں کی نسبت اُس کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی آخر اُنھوں نے اتفاق کر کے اس کی بد انتظامی کو اس کے معزول کرانے کا ایک حربہ تجویز کیا۔ اور شاہ کے دربار میں اس کے خلاف شکایت کی چنانچہ شاہ نے اسے سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ جوں ہی وہ برطرف ہوا۔ فوج کا یہ طوفان

برپا ہو گیا۔ اور سب اپنے گھروں کو جا سدھارے۔

"عبدالیوں کے حملے"

عبدالیوں نے جو ہرات کے صوبہ پر قابض تھے۔ خراسان کے متعدد شہروں پر لشکر کشی کی۔ اور ہر شہر کو فتح کر لینا ان کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ کہ اسی عرصہ میں شہر تبریز میں ایک قیامت خیز زلزلہ آیا جس نے لاکھوں نفوس موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ زمین کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ ہزاروں عالیشان عمارات کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ اور زمین سے گرد و غبار کی وہ گھٹا ٹوپ گھٹائیں اٹھیں کہ ہر طرف قیامت کی سی صورت حالات رونما ہو رہی تھی۔ آفتاب کا چہرہ غبار آلود نقاب نے چھپا لیا تھا جس کی وجہ سے روشنی کی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آسکتی تھی اور آفتاب عالمتاب تانبے کی ایک ٹکیہ نظر آتا تھا۔ یہ وہ ہولناک منظر تھا۔ کہ لوگوں کے دل خوف خدا سے کانپ جاتے تھے۔ اور وہ اس آفت ناگہانی کو بلیات ارضی و سماوی پر معمول کرنے لگے۔ اور انہیں آثار قیامت سمجھنے لگے۔ ان آفات سے لوگ اوہام پرست سے ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے فاجرہ عورتوں کو شہر بدر کر دیا۔ مسجدیں ھو حق کی پر شور صداؤں سے گونج اٹھیں۔ مشائخ و علمائے کرام گلی کوچوں میں پھر پھر کر لوگوں کو عذاب الہٰی سے ڈراتے دھمکاتے اور بدیوں سے تائب ہونے کا وعظ فرماتے تھے۔ اور نیکیوں کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت

کرتے تھے عجیب وغریب توہمات فروغ پا رہے تھے۔ حتیٰ کہ خود شاہ ایران کو وہم ہو گیا تھا کہ یہ سب اصفہان کی تباہی و بربادی کے بُرے شگون ہیں چنانچہ لوگوں کے دل مردہ اور ایمان ضعیف ہو گئے تھے۔ اور اب یہ عظیم الشان قوم موت ..... سیاہ موت کو اپنے دروازے پر دستک دیتا ہُوا پا رہی تھی۔ اور زندگی کی تمام تر توقعات سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔

دوسرا حملہ

سنہ ۱۱۳۵ھ کو محمود ایرانی سلطنت کی ڈگمگاتی ناؤ کو مغتنم سمجھتے ہوئے کرمان پر دوبارہ حملہ آور ہُوا۔ اب کے اس کے ساتھ پچیس ہزار افغانی اور بلوچی فوج داد شجاعت دینے کے لئے موجود تھی۔ وہ سجستان کے راستے کرمان میں داخل ہُوا۔ اور بغیر کسی زبردست مزاحمت کے شہر پر قابض ہو گیا لیکن قلعہ کے مقام حکومت پر قبضہ نہ کیا جا سکا۔ کیونکہ محافظین قلعہ نے اسے ۲۵ تومان ادا کر کے اپنی سلامتی کی ضمانت لے لی تھی۔

زلزلے نے ایرانیوں کے اذہان مفلوج کر دیئے تھے۔ اور انہیں مکمل طور پر یقین تھا کہ محمود غضب الٰہی ہے جو ایران پر نازل ہونے کے لئے آیا ہے اور یہی اصفہان کی بربادی اور سلطنت صفویہ کی تباہی کا باعث ہو گا چنانچہ محمود نے شہر یزد کا رخ کیا۔ مگر اُسے تسخیر کرنے میں ناکامی کا رخ دیکھنا پڑا۔ اسلئے

اُسے چھوڑ کر دارالسلطنت ایران کی راہ لی۔ کیونکہ وہ اُسے نزدیک پڑتا تھا جب وہ شہر پناہ کے پاس خیمہ انداز ہُوا۔ تو بادشاہ نے اس کے پاس دو قاصد روانہ کئے۔ اور استدعا کی۔ کہ ایران پر حملہ آوری کے خیال کو چھوڑ کر اپنے ملک کو لوٹ چلے۔ اس کے عوض اُسے پندرہ ہزار تومان دینے کی پیش کش کی گئی۔ مگر محمود اس پیغام سے ایرانی سلطنت کی کمزوری کو تاڑ گیا۔ اور بخوبی بھانپ گیا۔ کہ اب حکومت ایران کا چراغ کوئی دن میں گل ہُوا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے بادشاہ کے پیغام کو درخورِ التفات نہ سمجھا۔ اور کلناباد کی طرف روانہ ہو کر اپنی فوجوں کو جمع کیا۔ اور اس کے گرد خندق کھدوائی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ یہاں ایرانی فوج سے ایک زبردست مقابلہ ہوگا۔ محمود کی فوج میں بہت سے آتش پرست بھی آکر شریک ہوگئے۔ کیونکہ وہ بھی ایرانیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آگئے تھے۔ اور ان کا پختہ یقین تھا۔ کہ محمود انہیں اس سے نجات دلائیگا۔

مقابلہ

شاہ کے دِل و دماغ میں زلزلے کے تاثرات پوری طرح جاگزیں تھے اس نے اپنے وزیر محمد قلی خاں سے استصواب رائے کیا۔ اُس نے کہا۔ کہ اگرچہ افغانی میدان میں بڑی بے جگری سے لڑتے ہیں مگر کرمان اور یزد کے قلعوں کے تجربات کی روشنی میں پایۂ ثبوت ہو چکا ہے کہ وہ قلعوں میں نہیں لڑ سکتے۔ اسلئے

میرا مناسب مشورہ یہی ہے۔ کہ افواج شاہی کو قلعوں میں جمع کر کے ایک مدافعتی جنگ کا اہتمام کیا جائے۔ جب افغانی قلعوں کو فتح نہ کر سکیں گے۔ تو مایوس ہو جائیں گے۔ اور چار و ناچار اپنے ملک کو لوٹ چلیں گے۔ بادشاہ کو یہ تجویز بہت بھائی مگر خان اهواز والئے عربستان جوشِ حمیت سے بے قرار ہو کر کھڑا ہوا اور تقریر کی کہ اے شاندار روایات کے حاملو! تم ایرانی حمیت و شجاعت کے نام کو کیوں بٹہ لگاتے ہو؟ اے رستم و سہراب کے جگر پارو! تمہاری وہ گذشتہ غیرتِ ملّی کیا ہوئی؟ کیا ایسی تجویزیں سوچنا تمہارے زوال کی علامت نہیں؟ اب تم اتنے کمزور ہو گئے ہو کیا؟ کہ وہ افغان جو کل تک تمہارے محکوم تھے۔ اور تمہارے رحم و کرم پر سلامتی کی زندگی بسر کرنا ان کی اوقات تھی۔ آج تمہارے پایۂ تخت کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور تمہارے بازوؤں میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ انہیں اس جسارت کا مزا چکھانے کے لئے میدان جنگ میں نکلو؟"

خان اهواز کی یہ ولولہ انگیز تقریر سُن کر تمام اربابِ سلطنت کی رگوں میں حمیت کی لہر دوڑ گئی۔ اور سب نے متفق ہو کر محمود کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے پچاس ہزار فوج روانہ کی۔ ساتھ بیس توپوں پر مشتمل ایک کارگر توپ خانہ بھی بھیجا۔ جب فریقین قریہ کلتاد کے قریب رو برو ہوئے۔ تو محمود ایک ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے جانبازوں کے لشکر کے گرد گھوم گھوم کر ان کی حوصلہ افزائی کرنے لگا۔ اور ایک پُرجوش تقریر کی۔ کہ اے غیرت مند قوم کے جانثار فرزندو! دشمن تمہارے سامنے موجود

ہے۔ جیسے اپنی کثرت اور بہتر ساز و سامان کا غرہ ہے مگر یاد رکھو۔ کہ شجاعت کے مقابلہ میں کثرت کی کوئی وقعت نہیں۔ جو قوم جفاکش ہوتی ہے وہ میدان جنگ کو ایک خواب گہ ناز سے زیادہ نہیں سمجھتی۔ ایرانی عیش پرست ہو چکے ہیں اس لئے خداوند کریم کی قدرت کاملہ کو بھی یہ منظور نہیں۔ کہ وہ اب زیادہ دیر تخت حکومت پر متمکن رہیں۔ یہ جنگ تمہارے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔ تم نے بارہا دشمن کو ناک چنے چبوائے ہیں تم نے گذشتہ معرکوں میں جس دلیری اور پامردی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ قابل صد ستائش اور لائق ہزار تحسین ہے۔ اب ایرانی سلطنت کوئی دن کی مہمان ہے پہلے ہم محکوم تھے۔ اب آزاد ہیں پہلے ایرانی حملہ آور ہوتے تھے آج وہ ہماری مدافعت کر رہے ہیں۔ یاد رکھو منزل اب بہت قریب ہے بلکہ خود تمہارے قدم لینے کو چلی آ رہی ہے۔ اگر تم دشمن پر غالب آ گئے۔ تو ایک عظیم الشان سلطنت کے وارث ہو گئے۔ تمہارا وطن بہت دور ہے۔ اگر خدانخواستہ شکست یاب ہوئے۔ تو موت کے گھاٹ اتار دئیے جاؤ گے اور دشمن کسی کو بھی سلامت نہیں رہنے دے گا۔ موت سے بھاگنا غازیوں کا کام نہیں

ڈھونڈو کوئی دنیا میں بقا کی صورت

چھا جاؤ زمانے پہ گھٹا کی صورت

زندہ رہو جب تک رہو غازی بن کر

جاتے ہوئے جاؤ شہدا کی صورت صائب عاصمی

نہایت ذلت سے موت کا سم آلود ساغیر لبریز پینے سے غازیوں کیطرح آب شمشیر سے حیات جاوداں حاصل کرنا اچھا ہے ؟

محمود کی اس تقریر نے جلتی پر تیل کا کام دیا۔

ایرانیوں کے پاس بیس توپیں تھیں۔ اس کے مقابلے میں افغانوں کے پاس محض زنبورک تھے۔ جو اونٹوں پر بندھے ہوئے تھے۔ اور وہیں پڑے پڑے ان سے کام لیا جاتا تھا۔ ایرانیوں نے حملہ کرنے میں پہل کی۔ اور ان کا میسرہ افغانی میسرہ کے مقابل صف آرا ہو کر داد مردانگی دینے لگا۔ افغانی سپاہ پیچھے ہٹ گئی جس سے ان کا بہت سا ساز و سامان ایرانیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ ازاں بعد ایرانی میمنہ نے افغانی میمنہ پر دھاوا بول دیا۔ اور گھمسان کا رن پڑنے لگا اسی اثنا میں افغانی پسپا ہونے لگے۔ اور دراصل یہ ایک چال تھی۔ ایرانیوں نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ اور افغانیوں نے سرعت کے ساتھ اپنی صفیں آراستہ کر لیں اور ان کے دو حصے کر دیئے اد دگرد زنبورک والے اونٹوں کی قطاریں کھڑی کر دیں اور زنبورک سے اس طرح فائر کرنا شروع کیے۔ کہ ایرانی لشکر بوکھلا گیا۔ اور اس میں بھاگڑ مچ گئی۔ زنبورک کے فیروں سے ایرانی سپاہی اس طرح گرنے لگے۔ جیسے باد خزاں کے جھونکوں سے درختوں کے پتے گرتے ہیں ذرا اماں اللہ افغانی نے ایرانی فوج کے پچھلے حصے پر اس شدت سے حملہ کیا کہ وہ اپنا توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ نکلے چنانچہ افغانوں نے توپ خانے پر قبضہ

کر کے گولہ باری شروع کر دی۔ کچھ زیادہ دیر گذرنے نہ پائی تھی۔ کہ ایرانی فوج اپنا تمام ساز و سامان مالِ غنیمت کے طور پر چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلی۔

جب اس شکست کی خبر اصفہان میں سنی گئی۔ تو لوگ مارے خوف کے مرنے لگے۔ اور شاہ کے حواس مختل ہو گئے۔ اس نے اپنے وزراء کو بلا کر صورتِ حالات کی چارہ جوئی کا حکم دیا۔ اور مشورہ دیا۔ کہ "میری تو رائے یہ ہے۔ کہ اصفہان کو چھوڑ کر کسی اور شہر کو پایۂ تخت بنائیں اور اپنے ہمراہ سارا خزانہ بھی لے جائیں شاہی فوج کو جمع کر کے عقب سے افغانوں پر ٹوٹ پڑیں۔

محمد قلی خان وزیر نے شاہ کی اس رائے کو بہت پسند کیا۔ مگر خان اہواز والئے عربستان نے اس سے اختلاف کیا۔ اور کہا۔ کہ صرف ایک بار کی شکست سے ہی چھوڑ دینا ایرانی سلطنت کے شایانِ شان نہیں۔ اگر اس تجویز کو جامۂ عمل پہنایا گیا۔ تو رعایا بد دل ہو جائے گی۔ اور سلطنت کا رہا سہا وقار بھی خاک میں مل جائیگا یہ سن کر ایرانیوں نے مدافعانہ جنگ کی تیاری کی۔ اور محمود شاہ کے مقابلے کیلئے نکل آئے در اصل خان اہواز محمود شاہ کا طرفدار تھا۔ اور ایرانی سلطنت کی بقاء کا ہرگز آرزو مند نہ تھا۔

دو مقامات افغانی قبضے میں

محمود اپنے ارادوں کو پورا کرنے میں ذرا متردد تھا لیکن والئے عربستان

کی اعانت اُس کے اڑے آئی۔ اور اُسے کافی سہارا مل گیا۔ چنانچہ والئے عربستان کے آدمی اس کی مخبری کے محکمہ کو تقویت دینے کا باعث ہوئے۔ جب اُسے یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ایرانیوں کے دل افغانوں کی شجاعت سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ تو اسے کچھ اطمینان خاطر نصیب ہوا۔ اور لشکر سمیت فرخ آباد کی طرف کوچ کیا۔ اور جنگ و پیکار کے بغیر اس پر متصرف ہو گیا۔ اس کے بعد محلہ جنبا پر لشکر کشی کی۔ جو اصفہان میں ارمنیوں کا خاص محلہ تھا جس پر قابض ہو جانے سے وہاں کے باشندوں کو سخت نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

افغانوں کی شکست یابی

دو مقامات پر قبضہ کرنے کے بعد محمود کا ظفریاب لشکر اصفہان کے ایک برج پر حملہ آور ہوا۔ لیکن بندوقوں اور توپوں کی گولہ باری کی تاب نہ لاکر پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ لیکن پھر اُس نے اس غلطی کا ازالہ کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ اُس نے مناسب خیال کیا کہ افغانی فوجوں کا جو رعب ایرانیوں کے دلوں پر مسلط ہے کہیں دور نہ ہو جائے۔ اس لئے اُس نے فوجوں کے منتشر شیرازے کو مجتمع کرنے کے بعد شہر کے بعض مستحکم مقامات پر حملہ بولا۔ اور بہادری و ثبات کے جوہر دکھائے۔ اگر حرمِ شاہی کا احمد آغا اس کی راہ میں حائل نہ ہوتا۔ تو شہر کا مسخر ہو جانا یقینی تھا۔ لیکن آغا نے نہایت پامردی سے

اُس کا مقابلہ کیا۔ اور اُسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس شکست نے محمود کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ اور اب یہی بہتر سمجھا کہ شاہ کے پاس صلح کی درخواست کرے چنانچہ مندرجہ ذیل شرائط صلح کی بنیاد قرار دے کر قاصد کو دربار میں بھیجا گیا۔

۱۔ قندھار، کرمان، اور خراسان محمود کی نسل کی تحویل میں رہیں۔

۲۔ بادشاہ اپنی لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کر دے۔

۳۔ بادشاہ اسے پچاس ہزار تمان ادا کرے۔

مگر شاہ نے ان شرائط کو قبول کرنا اپنی حمیت اور شان کے شایاں نہ سمجھا۔

ایک سازش

جب والئے عربستان اس صورتِ حالات سے روشناس ہوا۔ تو اُس نے اپنا ایک قاصد محمود شاہ کے پاس بھیجا۔ اور اسے صلح کی درخواست پر ملامت کرنے کے بعد سلطنت ایران کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ محمود والئی عربستان کے اس حوصلہ افزا پیغام سے نہایت خوش ہوا۔ اور اس کی افسردہ آرزوؤں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ والئے عربستان نے اُسے فتح کا یقین دلایا۔ اور ہر ممکن اعانت کرنے کا اقرار کیا۔ چنانچہ محمود نے سوچا۔ کہ اطراف اصفہان کے مقامات کو برباد کر دیا جائے۔ اور اپنے لشکر کے لئے ذخائر حاصل کئے جائیں۔ اور جو کچھ باقی محفوظ رہے وہ نذرِ آتش کر دیا جائے۔ اس نے اس تجویز

پر یُوں ہی عمل کیا۔ دیہات کو برباد کر دیا۔ دیہاتیوں کے ذخائر زبردستی چھین لئے اور جو کچھ باقی بچا جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ چنانچہ گاؤں والے شہر کا رُخ کرنے لگے فاقہ کشی نے ان کا ناک میں دم کر دیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ رہی شہر کے سرداروں کو حقیقی کوائف سے تو آشنائی نہ تھی۔ اس لئے انہیں خوش آمدید کہنے لگے۔ اور انہیں خوشی خوشی جگہ دینے لگے۔ اور سمجھتے تھے کہ فوجی طاقت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور مدافعتی سامان پیدا ہو رہے ہیں لیکن شہر میں قحط کی آفت کے رونما ہو جانے کی طرف سے نابلد تھے۔ کیونکہ شہر ایک جانب سے گھرا ہوا نہ تھا۔

مکرّر فوج کشی

جب محمود نے والئے عربستان کے جاں بخش پیغام کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل مرتب کر لیا۔ تو وہ دُوسری سمت سے حملہ آور ہو کر ایک مورچہ پر متصرف ہو گیا۔ جس کے محافظ کرج قوم کے افراد تھے۔ جو اکثر لال پری کے سودائی تھے اور نشے میں بدمست رہتے تھے۔ اس کے بعد افغانی فوج ایک پل کو پایاب کر کے اطراف وجوانب پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسی اثنا میں افغانوں کو اطلاع ملی۔ کہ ایرانی کچھ ذخائر کے ہمراہ شہر کو آ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ ان پر جا جھپٹے اور تمام سامان لوٹ لیا۔ مگر اس سے پیشتر کہ وہ اپنی فوج میں

شریک ہوتے۔ ایرانیوں کی ایک فوج قریہ اصفہانک سے نکلی لوٹا ہوا سامان چھین لیا۔ اور محمود کے چچا، بھائی اور بھتیجے کو تہ تیغ کر دیا۔ بادشاہ ایران نے ان کو قتل کرنے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن یہ حکم اُس وقت موصول ہوا۔ جب وہ موت کے گھاٹ اُتارے جا چکے۔ شاہ کے اس حکم سے مقصد یہ تھا۔ کہ محمود ان کی رہائی کا مستدعی ہو گا۔ جب محمود نے اپنے اقربا کے قتل ہو جانے کی خبر سنی۔ تو وہ غصہ سے دیوانہ ہو اُٹھا۔ اور جتنے ایرانی قید تھے سب کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ اور شہر کے محاصرہ کو مکمل کرنے اور تمام بیرونی رسل و رسائل منقطع کر دینے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اسی اثنا میں ایرانی ارکین سلطنت میں سے ایک نے شاہ سے درخواست کی کہ اُسے محمود کے مقابلے کے لئے فوج دے کر روانہ کیا جائے۔ وہ یقینی طور پر محمود کو شکست فاش دے گا۔ اور افغانوں کو نواح اصفہان سے نکال باہر کرے گا۔ بادشاہ نے اس کی تجویز کو تسلیم کر لیا۔ مگر والئے عربستان نے جو محمود شاہ کا خفیہ طور پر طرفدار تھا اس کی پُر زور مخالفت کی۔

قحط کی وبا کا ظہور

جب شہر کے محاصرہ نے طوالت اختیار کی۔ تو لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ اور شاہ سے اصرار کرنے لگے۔ کہ وہ باہر نکل کر دشمن سے جنگ آزما

ہو۔ مگر وہ ٹال مٹول کرتا رہا۔ آخر اُس نے تنگ آکر اپنے لڑکے طہماسپ کو جو اُس کا ولی عہد تھا۔ اطراف ملک میں روانہ کیا۔ کہ رعایا کو محمود سے لڑنے پر آمادہ کرے طہماسپ نے لاکھ زور مارا۔ لیکن لوگ ایسا کرنے پر رضامند نہ ہوئے محصور رعایا فاقہ کشی کے ہاتھوں بے حال ہو رہی تھی۔ اور شاہ کے محل کے گرد جمع ہو کر واویلا کر رہی تھی۔ جب اُسے پتہ چلا کہ باہر سے سامان رسد آرہا ہے۔ تو رعایا کے صبر کا پیالہ لبریز ہو گیا۔ اور شاہ سے سخت اصرار کیا۔ کہ باہر نکل کر سامان لے لینا چاہئیے ورنہ افغانوں کی نذر ہو جائے گا۔ لیکن شاہ نے لوگوں کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ بلکہ ان پر بندوقوں کے فائر کئے گئے جس سے وہ اور بھی برافروختہ ہو گئے۔ اور بھوکے بھیڑیوں کی طرح محل پر دھاوا بولنے کی تجویزیں کرنے لگے۔ مگر اس نازک وقت میں احمد آغا کا سمجھانا بجھانا کام آگیا۔ چنانچہ لوگ بددلی کے ساتھ واپس چلے گئے پھر احمد آغا نے عربوں کی ایک جمعیت کو اپنی فوج میں شریک کر کے محمود پر سخت حملہ کیا اور چند مورچے اُس سے چھیننے میں کامیاب بھی ہو گیا۔ لیکن عربوں کے جس دستے کی قیادت والئے عربستان کے ذمہ تھی۔ اُس نے دانستہ پسپائی اختیار کی۔ عربوں کی یہ غداری دیکھنے کے بعد احمد آغا نے فوج کو حکم دیا۔ کہ اُن کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ دُبدو جنگ شروع ہو گئی۔ جب محمود نے دیکھا۔ کہ ایرانی آپس ہی میں مصروف پیکار ہیں۔ تو اس نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور

ان پر حملہ آور ہوا - اور انہیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ احمد آغا اس کیفیت کو دیکھ کر بہت کبیدہ خاطر ہوا - اور شاہ کے پاس خان اہواز والئے عربستان کی شکایت کی کہ "یہی شخص ہماری شکستوں کا باعث ہے کیونکہ یہ محمود کا ہم مذہب ہونے کے سبب اس کی طرفداری کرتا ہے اگر یہ فوج میں نہ ہوتا۔ تو میں افغانوں کو عبرت ناک شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

لیکن خان اہواز نے اپنی بریت ظاہر کرتے ہوئے احمد آغا کی کچھ ایسی برائیاں بیان کیں جن کی بناء پر شاہ نے اُسے عہدہ سے معطل کر دیا - اور وہ غیرت و حمیت کے جذبہ کے زیر اثر زہر کا لبریز پیالہ نوش کر کے دارِ عدم کو راہی ہوا - احمدؐ کی موت پر افغانوں نے جشن مسرت منایا - اور اہل اصفہان کی پریشانیوں میں اضافہ ہو گیا - کیونکہ احمد آغا ایک ایسا وفادار سلطنت تھا - جس کی دلیری اور شجاعت ضرب المثل تھی -

اب شاہ نے نا امیدی کے عالم میں محمود کے پاس اپنا قاصد سابقہ شرائط پر صلح کر لینے کی درخواست کرنے کو کہلا بھیجا۔ مگر اب جب کہ شاہ کی سلطنت آخری سانس لے رہی تھی - محمود کب اس پیغام کو تسلیم کرتا - اس نے جواب دیا - کہ اب شاہ کے ساتھ صلح کر لینے کا کیا فائدہ ہے ؟ اب تو وہ میرے رحم و کرم پر ہے - اس لئے بہتر ہے - کہ اپنے آپ کو میرے حوالہ کر دینے میں پس و پیش سے کام نہ لے "۔

حاکمِ سیستان کا محمود پر حملہ کرنا

جب حاکمِ سیستان نے محمود کے بڑھتے ہوئے گستاخانہ حوصلے دیکھے۔ تو وہ دس ہزار فوج لے کر اس سے مقابلہ کرنے کو نکلا تاکہ اصفہان کو اس سے نجات دلائے۔ جب یہ اطلاع اصفہان میں پہنچی تو اہل شہر کی جان میں جان آئی۔ اور ان کے دل قوی ہو گئے۔ جب محمود کو حاکمِ سیستان کی حملہ آوری کا حال معلوم ہوا۔ تو اُس نے اُس کے پاس پیغام ارسال کیا کہ "تم اپنے ارادوں سے باز آجاؤ۔ سیستان اور خراسان کے علاقے تمہاری حکمرانی کی تحویل میں ہیں جن پر تم اور تمہارے ورثا حکومت کریں گے"۔

یہ رشوت اس کی حملہ آوری کے ارادوں میں سدِ راہ ثابت ہوئی۔ اور وہ ان علاقوں پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے لوٹ گیا۔ جن کا محمود نے وعدہ کیا تھا ادھر جب اصفہان میں یہ خبر پہنچی۔ تو ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اور آرزوئیں مرجھا کر رہ گئیں۔ اصفہان میں قحط کی وبا نے وہ زور پکڑا۔ کہ لوگ خچریں، بلیاں گدھے اور کتے وغیرہ حرام جانور کھانے لگے۔ حتیٰ کہ مُردوں کا گوشت بھی نوچ نوچ کر اپنا پیٹ پالنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اس کثرت سے موت کے آغوش میں جانے لگے کہ نعشوں سے سارا شہر بھر گیا۔ تعفن نے کئی اور وبائیں بھی تخلیق کر دیں۔ اور نہر زائیدہ رود کی سطح مُردوں کے لاشوں سے چھپ گئی

گلی کوچے رقص بسمل کی تماشا گاہیں بن گئے۔

جب نوبت باایں جا رسید۔ تو شاہ اعیان سلطنت کے ہمراہ ماتمی لباس پہنے ہوئے محل سے باہر نکلا۔ اور شہر کی سڑکوں پر زار و قطار روتا ہوا۔ رعایا کے پاس آیا۔ وہ بادشاہ جس کی آنکھیں آنسوؤں سے کبھی آشنا نہ ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں ساون بھادوں کی جھڑی کا منظر پیش کر رہی تھیں جب رعایا نے شاہ کی یہ زبوں حالی دیکھی۔ اس نے اپنی مصیبت فراموش کر دی۔ اور اس کے حال زار پر ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگی۔ شاہ ہر ایک سے کہتا جاتا تھا کہ محض ناصحین کی غداری اور مشیروں کی خیانت کا نتیجہ ہیں اور رو رو کر کہتا تھا۔ کہ اب وہ اپنا تاج و تخت چھوڑ رہا ہے۔ چنانچہ دوسرے روز سلطنت کو چھوڑنے کا ریزولیشن منظور کیا گیا۔

؎ ایں چہ شور یست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

چنانچہ ۲۰ اکتوبر ۱۷۲۲ء کو شاہ سلطان حسین اپنے سرداروں اور امیروں کی معیت میں تین سو ایرانی سواروں کے ساتھ محل سے باہر نکلا۔ اور فرح آباد میں محمود کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوا۔ جب محمود نے انہیں دیکھا۔ تو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ یہ سب سید ھے وسط دیوان میں جا پہنچے۔ اور محمود کے پاس پہنچ کر شاہ نے سر سے طرۂ شاہی جدا کیا۔ اور محمود سے کہا۔

"اے بیٹے! اب منشاء قدرت یہ ہے۔ کہ میں زیادہ دیر تخت سلطنت پر نہ بیٹھوں۔ اس لئے تم اُس کے زیادہ مستحق ہو۔"

محمود نے اس کے جواب میں کہا "خداوند تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ سلطنت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے۔ چھین لیتا ہے۔"

پھر شاہ نے اپنا طرۂ شاہی اس کے عمامہ میں لگا کر اپنی لڑکی وہیں اُس کے نکاح میں دے دی۔

تاج و تخت محمود کے قدموں پر

دوسرے دن محمود پایہ تخت میں تزک و احتشام سے داخل ہوا۔ اور شاہ اور جملہ اعیان حکومت نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔ اور طریق شاہی پر اس کا سلام بجا لائے۔ جب وہ تاج و تخت کا مالک ہو گیا۔ تو اُس نے قحط کی دبا دور کرنے میں نہایت جد و جہد سے کام لیا۔ اور اپنی مساعی میں کامیاب ہو گیا۔ جس سے شکستہ خاطر لوگ اسے اچھا سمجھنے لگے۔ ہر عہدہ دار کو اس کے سابقہ عہدہ پر متمکن رہنے دیا۔ لیکن ہر ایک کے ساتھ ایک افغانی منسلک کر دیا تاکہ نظم و نسق سلطنت سے افغان قوم بہرہ اندوز ہو جائے۔ اور ایرانی عہدہ داروں کے فرائض منصبی کی بجا آوری میں بھی طمانیت حاصل ہو۔

خائنوں کی سزایابی

جنہوں نے دوران جنگ میں شاہ کے ساتھ غداری یا خیانت کی تھی۔ انہیں محمود نے موت کی سزا دی۔ اور والئے عربستان کا جو اس کی فتح و کامرانی میں ممد و معاون تھا۔ سب مال ضبط کر کے اُس کی خوب تذلیل کی مگر اُسے موت کی سزا سے مستثنےٰ سمجھا۔

قزوین کی فتح

جب محمود ابتدائی انصرام سلطنت سے فارغ ہو چکا۔ تو اس نے چھ ہزار فوج امان اللہ کی قیادت میں روانہ کی۔ کہ قزوین کو فتح کرے۔ فوج نے راہ میں قاشان اور قم کے شہروں پر نصرت کے جھنڈے گاڑے۔ اور پھر قزوین کے شہر میں بغیر کسی مزاحمت کے داخل ہو گیا۔

اہل قزوین بڑے سخت اور بہادر لوگ تھے۔ جب افغانوں نے نقدی کا ہاتھ بڑھایا۔ تو وہ آتش زیر پا ہو کر افغانی فوج کے گرد جمع ہو گئے۔ اور بغاوت کی آگ بھڑکائی۔ جب امان اللہ قلعہ کے پاس یہ آگ فرو کرنے کو نکلا۔ تو وہ افغانوں پر باز کی طرح جھپٹے اس حملہ میں وہ خود بھی زخمی ہو گیا۔

چنانچہ آخر کار افغان فوجوں کو وہاں سے راہ فرار اختیار کرنی پڑی ۱۷۳۶ء

میں جب شکست خوردہ افغان لوٹ رہے تھے۔ تو محمود کے چچا اشرف نے تین سو افغانوں کے ساتھ لشکر سے علیحدگی اختیار کی اور قندھار چلا گیا۔

ایرانی سردار موت کے دروازے پر

قزوین کا زخم ابھی مندمل نہ ہوا تھا۔ کہ خنسار اور دیگر شہر کے باشندوں نے مذکورہ واقعہ کی تقلید کی اور افغانوں کو اپنے شہروں سے نکال دیا۔ یہ صورت حالات دیکھ کر محمود نے سوچا۔ کہ مبادا اصفہانی بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں چنانچہ اس نے کسی بہانے سے تمام ایرانی عمائدین سلطنت کو مدعو کیا۔ اور سب کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔ اس کے بعد قلعہ کی محافظ فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ اور شہر والوں کو باہر نکال دیا جس سے اصفہان میں اُلّو بولنے لگے۔ اور در و دیوار سے حسرت برسنے لگی۔

جب محمود نے دیکھا۔ کہ اس کی سلطنت کی بنیاد استحکام پذیر نہیں ہو سکتی۔ تو اس نے درجزین کے سنی کردیوں کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ اور وہ سب اصفہان میں آ گئے۔ اسی طرح جب قندہار سے بھی کمک پہنچ گئی۔ تو اس نے اردگرد کے مقامات کی تسخیر کے لئے کمر باندھی اور کچھ فوج بھیج کر جلپائگان، خنسار اور قاشان کو اپنے قبضہ واغنیا میں کر لیا۔ اور نصر اللہ مجوسی کو خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر قابض ہونے کے لئے روانہ کیا۔ نصر اللہ مجوسی

کرمان میں اس کے ساتھ مل گیا تھا۔ چنانچہ اس نے شیراز کے سوا باقی تمام علاقوں کو فتح کر لیا۔ مگر شیراز کے محاصرہ میں وہ اس قدر شدید زخمی ہوا۔ کہ جانبر نہ ہو سکا اس کے بعد فوج کی قیادت زبردست خان افغانی کو تفویض کی گئی جس نے شیراز کا سختی سے محاصرہ جاری رکھا۔ جب لوگ بھوک فاقہ سے جاں بلب ہو گئے۔ تو اس نے ان پر حملہ کر دیا۔ اور شکست فاش دی۔ جس قدر لوگ غلہ اندوزی کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور اشیائے خوردنی روک رکھی تھیں۔ ان سب کو قتل کر دیا۔ بلکہ بعض لوگوں کو باندھ کر لٹکا دیا گیا۔ جو بھوک سے اجل کا شکار ہو گئے۔

جب شیراز جیسا مستحکم شہر تسخیر کر لیا گیا۔ تو محمود کے ارادوں میں یقین و اعتماد کی رنگ آمیزی ہوئی اور گذشتہ جنگوں میں جو تکان غالب تھی۔ وہ نئی زندگی میں تبدیلی ہو گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے مقبوضات کی توسیع کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اور تیس ہزار کا لشکر مرتب کر کے کوہ کیلویہ کی سمت بھیجا جو اصفہان کے نزدیک ہی واقع ہے۔ مگر راستے کے قبائل اس پر جھپٹے اور اس کا تمام ساز و سامان لوٹ لیا۔ اسی اثنا میں آب و ہوا کی خرابی نے مہلک وبا کی صورت اختیار کر لی۔ اور اس کے لشکری موت کے خوفناک جبڑوں کا شکار ہونے لگے جس سے محمود کے دل کو سخت صدمہ ہوا اور وہ عالم مایوسی میں اصفہان کو لوٹ آیا۔ اور رات کی تاریکی میں شہر کا رخ کیا۔ تاکہ

ایرانی اس کی کمزوری سے آگاہ نہ ہوں۔

محمود کا شکارِ جنون ہونا

اس نے شہر کرز کا محاصرہ کیا۔ لیکن اُس کے لشکر کو اندوہناک شکست کا سامنا ہوا۔ اور اس کے بہت سے آدمی تلوار کے گھاٹ اتر گئے ان واقعات نے افغانیوں کو محمود کی طرف سے دل برداشتہ کر دیا۔ اور ان کے دلوں میں جذبات منافرت پیدا ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے محمود سے کہا کہ وہ اب اپنے چچا اشرف کو اپنا جانشین بنائے یہ وہ باتیں تھیں جن سے ہر اُس شخص کا دل بسر دڑ جاتا ہے۔ جن کی ساری زندگی جد وجہد کا شاندار نمونہ ہو۔ اور جس نے اپنی قوم وملّت کو محکومی کی لعنت سے نجات دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ہو چنانچہ محمود بھی ان باتوں سے دل برداشتہ ہو گیا۔ اور گوشہ نشینی اختیار کر کے ریاضت الٰہی میں محو ہو گیا۔ کیونکہ جب انسان ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو صرف خدا کی یاد ہی اس کے مایوس دل کو ڈھارس بندھاتی ہے۔

دمِ سحر کہ ہنگامِ شب نہیں ہوتا
تیرے وجود کا احساس کب نہیں ہوتا
میں تیرے نام سے یارب سکون پاتا ہوں
زمانے بھر میں میرا کوئی جب نہیں ہوتا
صائب عاصمی

محمود کچھ عرصہ تک ظاہری اسباب کو چھوڑ کر باطنی امراد سے مدد کا آرزو مند رہا لیکن جب خلوت سے جلوت میں آیا۔ تو اس کے وسوسوں میں مزید ترقی واقع ہوئی اور اس کے خیالات اور زیادہ خراب ہوگئے اس کے جنون میں یہاں تک اضافہ ہوا کہ اُس نے ایک غلط اور بے بنیاد اطلاع پر خاندان صفویہ کے انتالیس افراد کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور عالم دیوانگی میں اپنا گوشت دانتوں سے نوچتا تھا۔

قتلِ محمودؔ

محمود جنوں کی انتہائی کیفیات میں مبتلا تھا۔ کہ افغانوں کو اطلاع موصول ہوئی کہ شاہ طہماسپ اصفہان پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ اس خبر سے افغان گھبرا گئے۔ اور انہوں نے اسوقت یہ مناسب خیال کیا۔ کہ محمود کو تاج و تخت سے محروم کر کے اس کے چچا کو اس کے وارث مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اشرف سے درخواست کی۔ کہ آئیے اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لو۔ اشرف نے جواب دیا۔ کہ محمود میرے باپ کا قاتل ہے۔ اس لئے جب تک اُسے قتل نہیں کر دیا جائے گا۔ وہ ان کی درخواست کو قبول نہیں کر سکتا۔ افغانوں نے ایسا ہی کیا۔ اور محمود کا سر کاٹ کر اشرف کے پاس بھیج دیا۔ اشرف نے ٹھنڈی سانس لی۔ اور تخت حکومت پر متمکن ہو گیا۔ محمود نے تین سال حکومت کی۔ اور

اور ستائیس برس کی قلیل عمر میں قتل کر دیا گیا۔

محمود کے چچا کی تخت نشینی

جب محمود اپنی قوم کے ہاتھوں تہ تیغ ہو چکا۔ تو اشرف اصفہان میں آیا۔ اور اس کے آخری کارناموں کی برائیاں بیان کر کے ایرانیوں اور افغانوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کیا۔ چنانچہ لوگ بھی اُس کی ہمنوائی اختیار کر کے اسے مطعون کرنے لگے۔ ایک اور کارگر چال یہ چلی۔ کہ جب شاہی تاج اسے پیش کیا گیا۔ تو طبقۂ عوام کو خوش کرنے کی غرض سے سلطان حسین کے پاؤں پر رکھ دیا۔ اور اصرار کیا۔ کہ آپ پہن لیں۔ مگر سلطان نے یہ کہہ کر اُس کے سر پر رکھ دیا۔ کہ میں عزلت کی ناموں زندگی کو تاجداری کی پُر آشوب زندگی پر ترجیح دیتا ہوں۔" اور اپنی دوسری لڑکی اس کے نکاح میں دے دی۔

سازش

اشرف تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ تو اُسے محسوس ہوا۔ کہ طہماسپ ایک کھٹکتا خار ہے۔ جس کا نکال دینا نہایت ضروری ہے۔ مگر اس کام میں دشواری درپیش تھی۔ چنانچہ اس نے سازش کی۔ اور طہماسپ کو لکھا۔ کہ حالات نہایت دگرگوں ہیں۔ اور فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہے

ہم باہمی یک جہتی سے ملک کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیں۔ تو فضا ساز گار ہو سکتی ہے اور بدامنی کی گھنگھور گھٹائیں چھٹ سکتی ہیں۔ اس کا مقصدِ اعلیٰ یہ تھا۔ کہ جب طہماسپ تعاون کرے گا۔ تو اُسے مروا دیا جائیگا۔ لیکن عین وقت پر اُن ایرانی سرداروں کو اس سازش کا پتہ چل گیا جو اس کی معیت میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے طہماسپ کو خفیہ طور پر لکھا۔ کہ اشرف کی نیت بد ہے۔ اس لئے اس کے دامِ فریب میں آنے کی کوشش نہ کرنا۔ جب محمود کو ان ایرانی سرداروں کی اس کاروائی کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ بہت جھلّایا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح محمود کے ہاتھ سے بچّے ہوئے یہ ایرانی سردار بھی ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ اور اُسنے یہ بہانہ کر کے لوگوں کی آنکھوں میں فریب کی خاک جھونکی۔ کہ یہ لوگ دشمنوں سے سلسلۂ مراسلات جاری رکھے ہوئے تھے۔

عثمانی سُلطان اور شہنشاہ رُوس

محمود کو ابھی قتل نہیں کیا گیا تھا۔ کہ عثمانی سلطان اور پیٹر اعظم شہنشاہ رُوس کے درمیان ایک میثاق طے پایا۔ کہ ایران کے جو علاقے ہنوز افغانی دست برد سے محفوظ ہیں۔ انہیں آپس میں منقسم کر لیا جائے اور جن پر افغانوں کا قبضہ ہو چکا ہے وہ اُن سے چھین لئے جائیں۔ اور طہماسپ کو ان کا حکمران بنا دیا جائے بشرطیکہ وہ بھی اس معاہدے سے متفق ہو۔

جب اشرف کو اس معاہدہ کی خبر ملی۔ تو وہ بہت پریشان ہُوا۔ اور اپنا ایک سفیر سُلطان عثمانی کے دربار میں بھیجا۔ اُسے لکھا کہ "سلطان کے لئے یہ نہایت نامناسب بات ہے۔ کہ ایک سنّی مسلمان سے ملک چھیننے کے لئے نصرانی شہنشاہ کی طرف دستِ تعاون بڑھا کر اس سے معاہدات کرے۔ جب سفیر قسطنطنیہ پہنچا اور وہاں کے علماء کو حقیقتِ حال کی خبر ہُوئی۔ تو انہوں نے اشرف کے اس پیغام سے پُورا پُورا اتفاق کیا۔ مگر عثمانی وزراء نے جو ہوائے نفسانی کے شکار تھے۔ اُن سے مباحثہ کیا۔ کہ سلطان خلیفۂ اسلام اور امیر المومنین ہے جس کی اطاعت ہر مسلمان کا فرض ہے۔ سلطان جو رسول اللہ کی نیابت کرتا ہے اگر کوئی اس کے نام کا خطبہ نہ پڑھے۔ اور اسے خراج نہ دے وہ دین کا مخالف ہے اور اُس کے ساتھ جہاد کرنا ضروری ہے۔ اور جہاد نصاریٰ سے افضل ہے۔" علماء۔ وزراء کی یہ منطقانہ اور نفس پرستانہ دلیل سُن کر چاروناچار خاموش ہو گئے۔ اور افغانی سفیر ناکام لوٹ آیا۔

تُرکی یلغار

حکومتِ عثمانیہ نے احمد پاشا والئے قزوین و مراغہ کو فرمان بھیجا۔ کہ وہ اپنی فوجیں لے کر اصفہان پر لشکر کشی کرے۔ جب اشرف نے یہ خبر پائی تو اس نے دیہات کو جلا کر راکھ کر دینے کا حکم دیا۔ اور خود اصفہان سے پندرہ

فرسخ کے فاصلہ پر عثمانی فوج کے مقدمتہ الجیش سے نبرد آزما ہوا۔ اس کے پاس صرف دو ہزار فوج تھی۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ اور عثمانی فوج کا پورا مقدمتہ الجیش تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جس سے ترک بہت مرعوب ہوئے اور اُن کے دلوں پر افغانوں کی دہشت طاری ہوگئی۔ لیکن احمد پاشاہ نے فوجوں کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور ارد گرد ایک خندق کھدوائی۔ اُدھر اشرف نے پر اسرار طریق پر کردیوں کے پاس قاصد روانہ کر کے انہیں اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ اور ترکی فوجوں میں یہ خبر مشہور کی۔ کہ یہ لڑائی اسلامی شرع کے بالکل خلاف ہے۔ چند علماء کو بھی احمد پاشا کے پاس تلقین کی غرض سے بھیجا گیا۔ تاکہ آپس میں صلح ہو جائے مگر اُس نے تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اور لشکر کشی کے احکام نافذ کر دیئے۔ ترکی فوج ساٹھ ہزار افراد اور ستر توپوں پر مشتمل تھی۔ لیکن ادھر اشرف کے پاس صرف بیس ہزار نفوس اور بیس زنبورک تھے۔ طرفین نہایت بے جگری سے لڑے۔ لیکن آخر کار ترکوں نے بُری طرح شکست کھائی اور ان کے بیس ہزار آدمی کھیت رہے۔ اور بقایا تمام سامان حرب اور ذخائر اپنے پیچھے چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ احمد پاشا بھی کرمان شاہان کی سمت بھاگ گیا۔ اس پر افغانوں کی اتنی دہشت غالب آ گئی۔ کہ وہاں بھی اشرف کے تعاقب کے خوف سے اقامت گزین نہ ہو سکا۔ بلکہ سیدھا بغداد کو راہی ہوا۔ اشرف کو اس سے بہتر کون سا موقع نصیب ہو سکتا تھا۔ کہ ترکوں کے دلوں کو تسخیر

کرے۔ چنانچہ اُس نے احمد پاشا کو پیغام بھیجا۔ کہ افغان اپنے بھائی مسلمانوں کے مال کو اپنے مصرف میں لانا ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے تم کسی امین کو بھیجکر اسلحہ کے سوا سب سامان منگوالو۔ اشرف نے فراخدلی سے کام لے کر جتنے ترکی قیدی تھے سب کو آزاد کردیا۔ اُس نے اس حُسنِ سلوک سے تُرکوں کے دلوں میں گھر کرلیا۔ اور اُنہوں نے فیصلہ کیا۔ کہ اشرف کے ساتھ صلح کرلینا موزوں ہے یعنی ترک اُسے ایران کا بادشاہ تسلیم کریں۔ اور اشرف ترکوں کے سلطان کو ظل اللہ سمجھے۔

ان واقعات کی رونمائی کے بعد اشرف کو ایک دورِ پرآشوب کا سامنا کرنا پڑا۔ یعنی اس کے بھائی نے قندھار میں خود مختاری کا اعلان کردیا۔ سیستان میں محمود سیستانی بھی بادشاہی کا دعویدار بن بیٹھا۔ اور خراسان کے کئی حصّوں کو دبا بیٹھا قندھار سے بھی کمک ملنا ناممکن ہوگی۔ نادر جس کی سیاست عالمگیر شہرت کی مالک ہے۔ طہماسپ سے جا ملا۔ اور استرآباد میں اس کی افواج کا سپہ سالار بن گیا۔

یہ وہ منحوس حالات تھے۔ جنہوں نے اُسے بیحد پریشان کردیا تھا لیکن انہی واقعات کے دوران میں اس نے شہر یزد پر فوج کشی کی اور اس پر متصرّف ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا ایک سفیر سلطنت عثمانیہ کے دربار میں بھیجا جس کی بڑی آؤ بھگت کی گئی جس سے اُس کو اپنی اقبالمندی کے فروغ کا یقین تھا۔ مگر اُس کا دورِ مسرّت بہت مختصر تھا۔ اُس نے جب یہ خبر سُنی کہ نادر نے طہماسپ کی طرف سے مشہد اور ہرات پر فوج کشی کی ہے اور وہاں

کے شہروں پر مسلط ہو گیا ہے۔ تو اُس کی پریشانی بہت بڑھ گئی۔

راحت کا اس طرح سے زمانہ گذر گیا

جھونکا ہوا کا جیسے ادھر سے ادھر گیا۔

مشہد اور ہرات پر عبدل افغان قابض تھے۔ چنانچہ اُس نے فوج اکٹھی کی۔ اور تیس ہزار فوج فراہم کر کے خراسان کی طرف کوچ کیا۔ مقام دامغان پر فریقین کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ اور اُس نے کئی بار نادری لشکر پر حملے کئے۔ مگر ہر بار ناکامی کا منہ دیکھا۔ اور اُس کی فوج مقابلہ نہ کر سکی۔ اور شکست یاب ہو کر اصفہان کو لوٹ گئی۔ ایک بار پھر اس نے اپنی فوج کو مجتمع کیا۔ اور مقام موچہ خار کے قریب شہر کے گرد خندق کھود کر انتظامات مکمل کر لئے۔ ادھر نادری فوج بھی نبرد آزمائی کے لئے روانہ ہوئی۔ ہر مقام پر ایرانی اس کی فوج میں شامل ہوتے جاتے تھے اور اس کے لشکر کی تعداد روز افزوں ترقی کر رہی تھی۔ تا آنکہ وہ اشرف کی قیامگاہ تک جا پہنچی۔ نادر نے اشرف کے فوجی استحکامات کو مکمل دیکھا۔ تو دنگ رہ گیا۔ لیکن اس کے باوجود اُس نے حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ چونکہ اس کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی۔ اور اس کے پاس سامان حرب و ضرب بھی کافی تعداد میں موجود تھا۔ اس لئے اشرف کی فوج نادری لشکر کے حملہ کی تاب مقاومت نہ لا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور نادر نصرت یاب ہوا اس حملہ میں چار ہزار افغانی شمشیر زن کھیت رہے چنانچہ شکست نصیب فوج

اصفہان کو لوٹ گئی۔ اب افغانی یقین کرنے لگے۔ کہ اُن کا اصفہان میں ٹھہرنا ناممکن ہے۔ اس لیئے وہ تمام رات کوچ کے انتظامات کرتے رہے اور جب شاہ خاور زرین تاج اپنے سر پر رکھے آسمانی کے پایۂ تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ شہر سے نکل گئے۔ اور شیراز کی راہ لی۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اصفہان چھوڑنے سے پیشتر اشرف نے سلطان حسین کا سر تلوار سے اڑا دیا تھا۔

شیراز پر نادری حملہ

اشرف نہایت شکستہ خاطری کی حالت میں شیراز میں پہنچا ہی تھا۔ کہ طہماسپ نے نادر کو حکم دیا۔ کہ شیراز پر حملہ آور ہو۔ چنانچہ اُس نے ایک زبردست جمعیت کے ساتھ شیراز پر یلغار کی۔ جب اشرف نے اس کی آمد کی اطلاع سنی۔ تو وہ شیراز سے پیچھے ہٹ گیا۔ اب شیراز میں صرف دو سوختہ حال افغانی موجود تھے۔ جنہوں نے نادری لشکر کا جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ مگر کچھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور باقی منتشر ہو گئے۔ اشرف بیس ہزار فوج کے ہمراہ قندھار روانہ ہو گیا۔ لیکن راہ میں ایرانی قبائیلیوں نے اس کا سامان رسد لوٹ لیا۔ اور سفر کی تکان کے مارے ہوئے افغانوں پر زبردست چھاپے مارنے شروع کئے۔ جس سے فوج کا اکثر حصّہ ہلاک ہو گیا۔ اور بہت تھوڑے لوگ اپنے وطن کو پہنچنے پائے۔

اشرف کا قتل

؎ شکست و فتح تو قسمت میں ہے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا!

اشرف قبائلیوں سے دو دو ہاتھ کرتا ہوا۔ بلوچستان تک پہنچا تھا۔ کہ بلوچیوں نے اُسے سخت پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اور اس پہ پے در پے حملے کئے جس سے اس کی ساری افغانی فوج گاجر مولی کی طرح کٹ گئی۔ اور اب اس کے ساتھ صرف دو آدمی باقی بچے۔ اتفاقاً ان کا ابن عبداللہ خان بلوچ سے سامنا ہو گیا جس نے شاہ اشرف کو پہچان لیا۔ اور اسے قتل کر کے سر طہماسپ کے حضور بھیجدیا۔ یہ واقعہ ۱۱۴۲ھ میں ظہور پذیر ہوا۔

اشرف محمود کی نسبت نیک طینت، وسیع النظر، فراخدل اور نیک سیرت حکمران تھا۔ افغانی اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایرانی بھی اسے محمود پر ترجیح دیتے تھے۔ اس نے ایران پر چار برس حکومت کی۔

نادر کی قندھار پر فوج کشی

سلطنت صفویہ کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ اور نادر نے ایرانی سلطنت اپنے قبضہ میں کر لی تھی۔ اب اُسے قندھار پر قابض ہونے کی فکر دامنگیر ہوئی اور

اسّی ہزار کا ایک لشکر جرار لے کر قندھار پر حملہ بول دیا۔ لیکن جیسا کہ قندہار کا تسخیر کرنا اس کے خیال میں تر نوالہ تھا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا۔ کہ شہر بے حد مضبوط ہے۔ چنانچہ اُس نے شہر کے نزدیک ایک نیا شہر تعمیر کیا۔ تاکہ شہر والوں کا خاطر خواہ محاصرہ ہو سکے۔ چنانچہ اس نے ایک سال تک قندہار کا محاصرہ جاری رکھا۔ لیکن اُسے فتح کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کیونکہ اہل شہر کے پاس غلّہ وافر تھا۔ آخر اُس نے شہر پر حملہ کر دیا۔ اور ایک بُرج پر قابض ہو گیا پھر اس پر توپیں نصب کر کے شہر پر اندھا دھند گولہ باری شروع کر دی جس کے باعث اہل شہر تنگ آ گئے۔ اور آخر کار انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ اور نادری لشکر اندر داخل ہو گیا۔ مگر افغانوں کو کچھ نقصان پہنچانے کی بجائے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اس لئے اُس اعلان سے اُس کا مقصد محض تاجپوشی کے وقت کے طرز عمل کا ثبوت دینا تھا۔ کیونکہ جب ایرانیوں نے سلطنت کا تاج و تخت اس کے سامنے پیش کیا تھا۔ تو اُس نے کہا تھا۔ کہ اگر تم رفض کو ترک کر کے صحابہ کرامؓ سے عقیدت کا اظہار کرو گے۔ تو میں تاج و تخت کو قبول کرتا ہوں۔ ورنہ نہیں۔ اس پر ایرانیوں نے اظہار رضامندی کیا تھا۔ تو اُس نے تاجپوشی منظور کر لی تھی۔

چنانچہ اب نادر نے سلطنت عثمانیہ کے دربار میں اپنے سفیر کے توسط سے پیغام بھیجا۔ کہ اہل ایران تبرا بازی سے تائب ہو کر صحابہ کرامؓ سے راضی

ہو گئے ہیں۔ اور مذہب جعفری پر کاربند ہیں۔ جو اہل سنّت کے نزدیک بھی معتبر مذہب ہے۔ اس لئے اور مذاہب کے اماموں کی طرح مکہ معظمہ میں جعفری مذہب کا ایک امام بھی مقرر کیا جانا چاہئیے۔ شیخ السّلام نے اس تجویز کی پرزور مخالفت کی۔ اور سلطنت کو اس کے خلاف رائے دی۔

احمد شاہ ابدالی کا فروغ

۱۱۶۰ھ میں نادر شاہ نے انتقال کیا۔ اور احمد شاہ عبدالی افغانوں اور ازبکوں کی عظیم الشان جمعیت لے کر آندھی طرح اٹھا۔ اور بادل کی طرح ایرانیوں پر حملہ کر کے چھا گیا۔ اس کے بعد وہ قندھار کی طرف متوجہ ہوا۔ اور باآسانی اس پر قابض ہو گیا۔ قندھار کی فتح کے بعد اُس نے سندھ اور کابل کا خراج لینے کی طرف توجہ کی۔ اور نادر شاہ کی طرح اُسے بھی باقاعدہ خراج وصول ہونے لگا۔ جس سے اُس کی طاقت بڑھ گئی۔ چنانچہ اُس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اپنے کو شاہ افغان کے خطاب سے نوازا۔ اور عبدالی قبیلے کے لئے درّانی نام رکھا۔ اس کے بعد اُس نے مشہد۔ ہرات اور سیستان پر فوج کشی کی۔ اور یکے بعد دیگرے سب کو تسخیر کر لیا۔ اگر وہ چاہتا۔ تو اُس وقت ایران پر نہایت آسانی سے متصرف ہو سکتا تھا۔ مگر اُس نے ایران پر لشکر کشی کرنے کی بجائے اندرونی استحکامات کی طرف اپنی توجّہ مبذول کرنا

ضروری خیال کیا۔ علاوہ ازیں وہ بخوبی جانتا تھا۔کہ فی الحال ایرانی افغانوں سے متنفر ہیں۔ اور نادر شاہ کی وجہ سے اپنے مذہب کی تبدیلی کے باعث بھی وہ افغانوں سے بدظن ہیں۔ اس لئے احمد شاہ نے سر دست ایران کی تسخیر کے ارادے کو معرض التوا میں رکھا۔ اور اپنی قوم کو اغیار کی غلامی سے نجات دلائی۔ اُس نے خراسان کا کچھ حصہ نادر کے بیٹے کے سپرد بھی کرایا۔ تاکہ اس کے ذمے جو حق تھا وہ بھی ادا ہو جائے۔

ملکِ ہند پر افغانی حملے

احمد شاہ نے ہندوستان پر چھ مرتبہ لشکر کشی کی۔ اور ہر بار مظفر و منصور لوٹا۔ اس کی قوم اس کی انتہائی عزت کرتی تھی۔ وہ نہایت خلیق، نیک سیرت عالم، حکیم، وسیع الاخلاق، بہادر عالی نسب، مدبر، سیاست دان، پاک نفس اور عادل حکمران تھا۔ رعایا کے دل اس کی مٹھی میں تھے۔ اس کے لشکر میں ہر فرقہ و خیال کے لوگ شریک تھے۔ افغانی اُسے مقرب بارگاہ الٰہی سمجھتے تھے اور اُسے بابا کا خطاب دیتے تھے۔ چنانچہ وہ آج تک اسے احمد شاہ بابا کے محبوب نام سے یاد کرتے ہیں۔

اسوقت ہندوستان میں اس کا نام نہایت تکریم سے لیا جاتا تھا۔ اور اس کے اوصاف ذاتی کی بہت تعریف کی جاتی تھی۔ اس لئے اسے ہندوستان

پر حملہ آور ہونے میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ ایک دفعہ اُس نے دہلی کے قریب پانی پت کے مشہور تاریخی میدان میں مرہٹوں کے ساتھ ایک خونریز جنگ لڑی۔ مرہٹے تعداد میں اسّی ہزار کے قریب تھے اور ادھر اس کی فوج صرف ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھی جس میں نصف افغانی جانباز تھے۔ چنانچہ اس نے مرہٹوں کو عبرتناک شکست دی۔ اور انہیں شدید نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس واقعہ کے بعد ان کی فتوحات کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور وہ دوبارہ نہ سنبھل سکے۔ پھر وہ کشمیر سندھ اور ملحقات کو اپنے احاطۂ تصرف میں لایا۔ بلوچستان۔ مکران۔ بلخ کے علاقے بھی اُس نے فتح کئے۔ اور اس کی حسن تدبیر اور حکمت عملی سے افغانوں کی ایک عظیم الشان سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ جو نہایت پختہ اور مستحکم بنیادوں پر کھڑی تھی۔ مگر چونکہ اس کے خاندان میں اس جیسا اور کوئی وارث نہ تھا۔ اس لئے اسکی موت کے بعد وہ قائم نہ رہ سکی۔ اور اس میں زبردست اختلال واقع ہوا۔ اس نے پچاس برس کی عمر میں ۱۱۸۵ھ یا ۱۱۸۶ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

احمد شاہ درانی نے اپنی زندگی میں پہلے تیمور کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ لیکن ایک وزیر کے کان بھرنے پر اس نے برانگیختہ ہو کر اسے معزول کر دیا تھا۔ اور اس کے بھائی سلیمان کو ولیعہدی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ جب احمد شاہ کی وفات واقع ہوئی۔ اسوقت تیمور ہرات میں تھا۔ اس نے علماء و وزراء

وامرار اور فوج کے افسروں کو جمع کر کے خطاب کیا۔ کہ " اے میری غیور قوم کے بزرگو! شاید تم اس حقیقت سے ناآشنا ہو۔ میرے عظیم الشان باپ نے مجھے زندگی میں اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ مگر اس کے وزیر نے حالت نزع میں اسے برانگیختہ کر کے مجھے معزول کر کے میرے بھائی سلیمان کو اپنا جانشین بنا دیا چنانچہ اب وہ قندھار میں مسرت کے شادیانے بجا رہا ہے۔ اور سلطنت کے تمام خزانوں پر متصرف ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کی طاقت فروغ پذیر ہو رہی ہے کیا تم لوگ ایک غاصب سے اپنا حق حاصل کرنے میں میری اعانت نہ کرو گے؟ یا تم بھی دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے حامی ہو؟"

یہ سن کر افغان نہایت خلوص بھرے لہجہ میں کہنے لگے "اے باوقار باپ کے باوقار بیٹے! ہم تیرے ساتھ ہیں۔ اور سعادِ اعظم تیری پشت پر ہے۔ ہم تیرے ہر ارشاد پر قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں۔ اس کے بعد وہ خواجہ عبد اللہ انصاری کے مزار میں جمع ہوئے۔ اور مشہور عالم شیخ یحییٰ نے ایستادہ ہو کر شاہی تلوار اس کی گردن میں آویزاں کر دی۔ جملہ افغانوں نے اس کی اطاعت کا پیمان باندھا۔ چنانچہ اس نے ان کی امداد سے اپنے بھائی پر غلبہ حاصل کیا۔ اور اسے ایک پنجرہ میں قید کر دیا۔ تا آنکہ وہ اسی حالت میں راہی ملکِ بقا ہوا۔ اور جب وزیر نے اس کی ولیعہدی کے راستے میں روڑے اٹکائے تھے۔ اسے نذر تیغ کر کے انتقام کی تشنگی دور کی۔

کشمیر اور لاہور پر قبضہ

پھر اس نے کشمیر اور لاہور کو از سر نو تسخیر کیا۔ اور چند سال بعد اپنے بیٹے محمود کو ہرات کا عامل مقرر کیا۔ نیز قندھار کی بجائے کابل کو اپنی سلطنت کا پایہ تخت قرار دیا۔ اس کے تیسرے لڑکے کا نام زمان تھا۔ جو بہت نیک نوجوان تھا۔ اسے قندھار کی حکومت تفویض فرمائی۔ جو امور سلطنت کو نہایت تندی سے انجام دینے کا عادی تھا۔ اور اپنے باپ تیمور کی طرح نیک اطوار تھا۔

اسی اثنا میں شاہ مراد بیگ نے جو بخارا کا امیر تھا۔ شہر مرو پر حملہ کر دیا۔ اور وہاں کے باشندوں کو جو شیعہ مذہب کے پیرو تھے نہایت بے دردی سے قتل کرنا شروع کیا۔ لہٰذا وہ تیمور سے امداد کے مستدعی ہوئے۔ تیمور اپنی امن پسند طبیعت کی وجہ سے ان کی اعانت پر کمر بستہ تھا۔ مگر قاضی فیض اللہ نے فتاوی صادر کئے۔ کہ سنیوں کو یہ بالکل جائز نہیں۔ کہ وہ شیعوں کی دستگیری کریں۔ اس لئے اس نے ان کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک وہ تیمور تھا۔ جو اپنی ستم ظریفی کے لئے رسوائے دہر ہو چکا ہے۔ اور ایک یہ تیمور درانی تھا۔ جو اپنی نرمی طبع کے باعث اپنی حکومت کے کسی علاقے بھی کھو بیٹھا۔

ع: ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

تیمور نے کابل میں ۸ شوال ۱۲۰۷ھ میں انتقال   اس کے مرنے سے

افغانی اقتدار بھی مٹی میں مل گیا۔ اور اپنے پیچھے تین سو جائز عورتوں سے بتیس لڑکے چھوڑ گیا۔ جن کی مائیں افغان نہیں تھیں۔

باہمی جنگ و پیکار

تیمور کا آنکھیں بند کرنا تھا۔ کہ اُس کے بیٹوں میں تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے جنگ و پیکار کا بازار گرم ہو گیا۔ جب اس نے وفات پائی۔ ہمایوں قندہار میں تھا۔ اس نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اور تاجپوشی کی رسوم تزک و احتشام سے ادائیں۔ اور ایک فوج لے کر کابل پر چڑھ دوڑا۔ جب زمان نے اُس کی لشکر کشی کی خبر سُنی۔ تو وہ بھی ایک جرار فوج لے کر اس کے مقابلہ کو نکلا۔ اور بمقام کلات غلجی میں معرکہ آرائی ہوئی۔ ہمایوں نے یارائے مقابلہ نہ پا کر راہ فرار اختیار کی۔ اور اپنے بھائی محمود کے پاس ہرات میں پناہ گزین ہوا۔ اس سے بھائی کے مقابلے کے لئے اور کوئی درخواست کی۔ جو نامنظور ہوئی۔ مجبوراً وہاں سے کوچ کیا۔ اور ہرات اور قندہار کے درمیان قیام کیا۔ حسنِ اتفاق سے ایک قافلہ جا رہا تھا۔ اُس نے اُس پر فوج کشی کی۔ اور اُسے لوٹ کر ایک فوج مرتب کی۔ جب زمان کے بیٹے حیدر کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ اس سے نبرد آزما ہوا۔ مگر شکست کھا کر پسپائی پر مجبور ہوا۔ پھر ہمایوں نے قندھار کا رُخ کیا۔ اور شہر میں پہنچکر رعایا پر بے طرح ظلم کرنا شروع کر دیا۔ وہاں کے تجّار کو لوٹ کر تباہ کر دیا۔ اور اُن سے جو مال متاع

ہاتھ آیا۔ اُس سے زمان شاہ کے مقابلہ کے لئے ایک فوج ترتیب دی جب زمان نے سُنا۔ تو وہ ایک بھاری لشکر لے کر اُس کے مقابلہ کو آیا۔ اور ایک زبردست معرکہ کے بعد اُسے پسپا کر دیا۔ اسی لڑائی میں ہمایوں کا بیٹا گرفتار ہوا جس کی آنکھیں نکال دی گئیں۔

شاہ زمان کا اعلان بادشاہت

شاہ زمان نے جب دیکھا۔ کہ اس کی قوّت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ قسمت ساتھ دے رہی ہے۔ اور قاضی فیض اللہ و پائندہ خاں کی اعانت شاملِ حال ہے۔ تو اُس نے بلا توقف اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے اپنے نام کا خطبہ و سکّہ جاری کیا۔ رحمت اللہ کو وزارت کا قلمدان مرحمت کیا جس کی سب لوگوں نے مخالفت کی۔ اور اُسے مشورہ دیا۔ کہ یہ شخص اس منصب جلیلہ کا سزاوار نہیں۔ مگر اُس نے کسی کی ایک نہ مانی۔

محمود اور شاہ زمان میں معرکہ آرائی

شاہ زمان کی سیاست دانی کے باعث اس کے حدود سلطنت اپنے آباؤ اجداد کے مساوی ہو گئے۔ اور روز بروز اُس کی طاقت زور پکڑتی گئی۔ سندھ۔ ملتان۔ بلخ اور کشمیر بھی اس کی حدود سلطنت میں شامل تھے۔ پھر زمان شاہ

نے قندھار کا رُخ کیا۔ لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھا۔ کہ اُسے اطلاع ملی۔ کہ
محمود نے ہرات میں علمِ بغاوت بلند کر کے اعلان استقلال کر دیا ہے۔ وہ اسکی
گوشمالی کے لئے ہرات کو روانہ ہوا۔ محمود اپنی فوجیں لے کر اسی کی طرف آ رہا تھا۔
چنانچہ دونو لشکر گرشک اور زمین داوڑ کے درمیان مقابل ہوئے پہلے زمان شاہ
نے اس سے صلح کی درخواست کی۔ مگر محمود نے اس کو اس کی کمزوری پر محمول
کیا۔ اور اپنی قوت پر نازاں ہو کر درخواست صلح کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔
چنانچہ گھمسان کا رن پڑا۔ لیکن محمود کو شکست نصیب ہوئی۔ اور وہ ہرات کی
طرف بھاگ گیا۔ اس کے بہت سے سرداروں کو مقید کر لیا۔ اور خزانہ کو اپنے
قبضہ میں کر کے اس شرط پر اُس سے صلح کر لی۔ کہ ہرات اور مرو اس کے تصرف
میں رہیں مگر اُس میں خطبہ اور سکہ زمان شاہ کے نام کا جاری ہو۔ آپس میں
شرائط صلح طے ہو گئیں پھر زمان شاہ نے کابل کا اور وہاں سے لاہور کا عزم
کیا۔ اور لاہور اور اس کے مضافات پر متصرف ہو گیا۔ ان حملوں میں اُسکی
فوج مال غنیمت سے مالا مال ہو گئی۔

محمود کی بغاوت

وہ لاہور میں فتح کے شادیانے بجا رہا تھا۔ کہ اسی دوران میں محمود نے ہرات
میں آتش بغاوت بھڑکائی۔ اور اپنے معاہدے کو طاق نسیاں کا نقش و نگار بنا

دبلہ ہے۔ وہ قندہار پر متصرف ہوا چاہتا تھا۔ اسی اثنا میں محمود کو خبر ملی کہ وہ اپنے جن سرداروں کو ہرات میں چھوڑ آیا ہے۔ اُنھوں نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے۔ اور چاہتے ہیں کہ شہر زمان کو سونپ دیں۔ اس کا باعث یہ تھا۔ کہ محمود کا وزیر شیعہ مذہب کا پرستار تھا۔ اس لئے اس کے سردار اس سے رضامند نہ تھے چنانچہ انھوں نے شاہ زمان سے اشتراک عمل کرنا چاہا۔ جب وہ ہرات کو لوٹا تو اُسنے اویمق ترکوں کے سردار فتح خان کی بغاوت کی خبر سُنی۔ چنانچہ اُس نے اپنے شیعہ وزیر کو اسے سمجھانے بجھانے کی غرض سے روانہ کیا۔ اس کے طرز عمل میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ وزیر کو زیر حراست کر لیا۔ وہ ان مشکلات سے نپٹا نہ تھا۔ کہ اسے اطلاع ملی۔ کہ شاہ زمان کا لڑکا قیصر اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے آ رہا ہے۔ اس نے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے بیٹے کامران کی معیت میں ایران کی طرف کوچ کیا۔ اور فتح علی شاہ ایران سے پناہ مانگی۔ اتنے میں قیصر ہرات میں داخل ہوا۔ اور مقابلہ و مقاولت کے بغیر اس پر متصرف ہو گیا۔ اسی اثنا میں اس کا باپ بھی آ گیا۔ جس نے اُسے ہرات کا عامل مقرر کر دیا۔

کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ کہ محمود ایران سے آ کر اطراف ہرات میں ظاہر ہوا۔ اور زمان شاہ کے ساتھ جنگ آزما ہوا۔ مگر منہ کی کھائی اور شکست خوردہ فوج کے ساتھ امیر بخارا کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ کیونکہ اب کے وہ

شاہ ایران کے پاس جانا نہیں چاہتا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ پے در پے شکستیں کھانے سے سر بگریبان ہو۔ وہ امیر بخارا کے پاس آٹھ نو ماہ مقیم رہا۔ اس کے بعد اُس سے خوارزم جانے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ وہ خوارزم سے ہوتا ہُوا سیدھا شاہ ایران کے پاس پہنچا۔ اور کچھ عرصہ وہاں اقامت گزیں رہنے کے بعد اُس سے مدد کی درخواست کی۔ جو منظور ہو گئی۔ لہٰذا وہ ایک جرار لشکر لے کر اپنے بھائی کے مقابلہ کے لئے آیا۔ اور قندھار پر حملہ آور ہُوا۔ اور جنگ و پیکار کے بغیر شہر پر متصرف ہو گیا۔ اس کے بعد پایندہ خان کا لڑکا فتح محمد بھی اپنے مختصر لشکر کے ساتھ اُس سے آملا۔ جس سے اُسے کافی تقویت حاصل ہو گئی۔

جب تیاریاں مکمل ہو چکیں۔ تو اس نے کابل پر چڑھائی کی۔ شاہ زمان نے جب سُنا تو وہ ایک بھاری فوج کے ساتھ اُس سے نبرد آزما ہوا۔ فریقین جان توڑ کر لڑے۔ اور دونوں طرف سے بے شمار آدمی کام آئے۔ مگر شاہ زمان کو ہزیمت نصیب ہُوئی۔ اور اپنے بھائی کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ محمود نے اس کی آنکھیں نکلوا دیں۔ اور اس کے خائن وزیر رحمت اللہ کو بھی زیر حراست کر کے اس کے کپڑے اُتار لیے گئے۔ اور اُسے چٹائی پہنائی گئی۔ پھر اُسے گدھے پر سوار کر کے سارے شہر کی گشت کرائی گئی۔ اور عبرتناک طور پر قتل کر دیا۔ اُس نے شاہ زمان سے تاج و تخت حاصل کرنے کی چال چلی تھی۔ اور اس کے کان بھر کے جانثار سرداروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

"شاہ زمان کا لڑکا"

جب محمود ان کارروائیوں میں مشغول تھا۔ شاہ زمان کا لڑکا قیصر ہرات میں موجود تھا۔ جب اس نے اپنے باپ کا یہ حشر سُنا۔ تو وہ فوج لے کر چچا کے مقابلہ کو نکلا۔ مگر شکست کھائی۔ اور محمود کے بڑے بھائی فیروز الدین کو اپنی جگہ ہرات کا والی مقرر کر کے شاہ ایران کے پاس پناہ گزین ہوا۔ اب محمود کی حکومت مضبوط ہو گئی۔ اور تختِ سلطنت پر متمکن ہوا۔

"محمود کے عقائد"

چونکہ محمود شیعہ عقائد سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے افغان قوم اُس سے متنفر تھی۔ اور اسے زیادہ دیر حکومت کے تخت پر بیٹھا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس کی رگِ حمیت پھڑکی۔ اور سب افغانوں نے بالاتفاق اس پر دھاوا بول دیا۔ محمود کو زیرِ حراست کر لیا گیا۔ اور بالاحصار میں مقید کر کے ڈال دیا۔ اور اندھے زمان شاہ کو قید خانے سے نکالا۔ اور دوبارہ تختِ سلطنت پر بٹھا دیا۔ اتنے میں شاہ شجاع پنجاب سے کابل پہنچا۔ اور محمود کو قید خانے سے نکال کر شاہ زمان کے حضور پیش کیا۔ کہ اس سے انتقام لے مگر اُسے اپنے بھائی پر رحم آ گیا۔ اور اُسے دوبارہ بالاحصار میں قید رکھنے کا حکم دیا۔

والئے کشمیر کی سرکشی

ادھر کابل میں یہ واقعات رونما ہو رہے تھے۔ ادھر کشمیر کا حاکم عطا محمد خان بن شیر محمد خان بغاوت پر آمادہ ہوا۔ جب شاہ شجاع نے سُنا۔ تو وہ افغانوں کی ایک کثیر جمعیت کے ساتھ کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ ابھی وہ مظفر آباد ہی پہنچا تھا کہ والئے کشمیر نے سفارت کے ذریعہ اپنی خطاؤں کی معافی مانگ لی۔ چنانچہ وہ باطمینان خاطر واپس کابل کو راہی ہوا۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ اُسے اس عجیب و غریب خبر نے چونکا دیا۔ کہ محمود بالاحصار کے محافظوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد فرار ہو گیا ہے اور شاہ ایران کے دربار میں پہنچ کر پناہ کا طالب ہوا ہے۔

جب شاہ شجاع کابل میں پہنچا۔ تو اُس نے رعایا کو بے حد پریشان پایا۔ چنانچہ اس کا دل اور بھی مکدر ہو گیا۔

محمود نے ایران سے آکر فتح خاں اور کامران کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اس کے بعد والئے ہرات امیر فیروز الدین سے امداد کا مستدعی ہوا۔ جو مہمانوں سے بہت خاطر مدارات سے پیش آیا۔ اور تحفے تحائف پیش کئے۔ مگر شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی نہ امداد کا وعدہ کیا۔ یہ لوگ بے نیل مرام لوٹ رہے تھے۔ کہ راہ میں انہیں دو قافلے ملے۔ لہٰذا محمود نے اپنے

ساتھیوں سے مشورہ کرکے انہیں لوٹ لیا۔

محمود کی دوبارہ فتح یابی

قافلے لوٹ لینے سے جو مال غنیمت اُن کے ہاتھ آیا تھا۔ اس سے انہوں نے چار ہزار سواروں کی ایک فوج ترتیب دی۔ اور قندھار پر لشکر کشی کی عالم خاں حاکم قندھار مقابلے کے لئے میدان میں آیا مگر ایک خوفناک جنگ کے بعد زیر حراست کر لیا گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد شہر پر بھی قبضہ ہو گیا۔ چنانچہ اس حملہ کی نصرت یابی سے محمود کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ چنانچہ وہ ایک لاکھ فوج جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اچانک کابل پر چڑھ دوڑا۔ غزنی کے مقام پر شاہ شجاع اس سے جنگ آزما ہوا۔ ایک ہولناک جنگ لڑی گئی۔ جس میں اس کے بے شمار سپاہی کھیت رہے۔ اور اسے ہزیمت ہوئی۔ چنانچہ وہ کابل کی طرف چلا گیا۔ مگر وہاں جا کر اُس نے صورت حالات کو اپنے خلاف پایا۔ چونکہ اُسے رعایائے کابل پر اعتماد نہیں تھا۔ اس لئے وہ شہر کو چھوڑ کر پشاور کی طرف جادہ پیما ہوا۔ اور کابل میں امیر حیدر بن شاہ زمان کو چھوڑ گیا۔

اب محمود اپنے دشمنوں پر مکمل طور پر فتح حاصل کر چکا تھا۔ اس لئے اب وہ تخت حکومت پر دوبارہ متمکن ہو گیا۔ اُس نے رعایا کے دلوں کو تسخیر کرنے کے لئے نرمی اور رحم کو اپنا لائحہ حیات بنا لیا۔ فتح خاں کو قلمدان وزارت

عنایت کیا۔ اور تمام مہمات ملکی کے امور اس کو سونپ دیئے۔ یعنی اُسے بالکل صاحب اختیار وزیر مقرر کر دیا۔ اور اپنے بیٹے کامران کو قندھار کی حکمرانی تفویض کی فتح خاں نے اختیارات خصوصی سے پورا پورا استفادہ کیا۔ اور اپنے بیٹوں کو افغانی صوبوں کا حاکم مقرر کیا۔ شاہ زمان کا لڑکا قیصر ایران میں پناہ گزین تھا۔ جب اُس نے سنا۔ کہ شجاہ شجاع تختِ حکومت پر متمکن ہو گیا ہے تو وہ اپنے چچا کے پاس کابل میں آرہا تھا۔ کہ راستے میں کامران نے اُسے جالیا اور وہاں سے بھی بھگا دیا۔ اب اُسے سوجھی۔ کہ والئے کشمیر سے مدد کی درخواست کرے۔ چنانچہ اُس نے اس کے ساتھ سلسلہ مکاتب جاری کیا۔ عطا محمد نے تحریر کیا۔ کہ اگر تم اپنے سب جواہرات میرے پاس رہن رکھ چھوڑ دو تو میں تیس لاکھ روپے ارسال کر سکتا ہوں۔ مگر اس کے پاس صرف ایک ہیرا کوہ نور تھا۔ جسے بابر نے سلطان محمد ابراہیم لودھی سے چھینا تھا۔ اور جو آجکل شہنشاہ انگلستان کے تاج کی زینت ہے۔ یہ ہیرا ایک تاریخی عجوبہ ہے۔ جس کے ساتھ سینکڑوں تاریخی واقعات وابستہ ہیں۔ الغرض شاہ شجاع نے وہ والئے کشمیر کی خدمت میں بھیجدیا۔ اس نے اس کے معاوضہ میں پندرہ لاکھ روپے شاہ کو بھیجے۔ اور مزید روپے ارسال کرنے کا وعدہ کیا۔ شاہ شجاع نے ان مبلغات سے ایک فوج تیار کی۔ اور کابل کی طرف کوچ کیا۔

جب محمود کو معلوم ہوا۔ تو اس نے شاہ زمان کو قید خانہ سے رہا کیا۔

اور اس سے کہا ہمارے آباد اجداد کی وہ سلطنت جسے انہوں نے اپنے خون
سے حاصل کیا ہے۔ آج نفاق اور باہمی خونریزی کی نذر ہو رہی ہے اس لئے
اگر ہم نفاق کو اتفاق سے تبدیل کر کے کاروبارِ سلطنت کو چلانے کی کوشش
کریں۔ اور ایسی تدابیر پر عمل پیرا ہوں۔ جو ہمارے خاندان اور ہماری سلطنت
کی بہتری کا موجب ہوں۔ تو کیا اچھا ہو۔ اب دیرینہ شکر رنجیوں کو فراموش
کر دینا چاہیئے۔ اس لئے تمہارا فرض ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ کیونکہ میں
تمہارا بڑا بھائی ہوں میں سب اہل خاندان کو حسب مراتب منصب دینے کو
حاضر ہوں۔ اور جملہ سرداروں کو آزاد کر دینا چاہتا ہوں۔

"شاہ شجاع کی گرفتاری"

جب شاہ زمان نے اُس کی یہ گفتگو سنی۔ تو اُس نے شجاہ شجاع کو
ایک خط لکھا جس میں بھائی کے ارادوں کا بھی تذکرہ تھا۔ جب یہ خط شاہ شجاع
کو ملا۔ تو اُس نے عطا محمد والئے کشمیر کو لکھا کہ اگر تم میری امداد نہیں کرو گے
تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔ کیونکہ میرا بھائی میرے ساتھ ہے"۔ ساتھ ہی شاہ
زمان اور محمود کی جملہ گفتگو کا بھی ذکر کیا۔ عطا محمد نے اس کے جواب میں پانچ ہزار
فوج مرتب کی۔ اور اس کے ساتھ خود روانہ ہو کر پشاور پہنچا۔ شاہ شجاع اُسکی
آمد سے نہایت خوش ہوا۔ اور سمجھا کہ عطا محمد میری کمک کے لئے آیا ہے

لیکن درحقیقت اس کی نیت میں فتور واقع تھا۔ شاہ شجاع اس کے استقبال کیلئے آگے بڑھا۔ مگر عطا محمدؐ نے نہایت آسانی سے اُسے زیرِ حراست کرلیا۔ اور پا بہ زنجیر سلاسل کرکے اپنے ساتھ کشمیر لے گیا۔ اور انگریزی حکومت کو لکھا۔

کہ "میں تمہارا دوست ہوں۔ اور رنجیت سنگھ نے جو افغانی علاقے افغانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھاکر غصب کرلئے ہیں۔ اُس سے چھین کر تمہارے حوالے کردینا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ جب محمود مجھ پر حملہ آور ہو۔ تو تم بھی میری مدد کو پہنچو۔"

حسنِ اتفاق سے یہ خط و کتابت مہاراجہ کے جاسوسوں کے ہاتھ آگئی۔ اور اُنہوں نے تمام خط و کتابت اس کے حضور پیش کی۔ اُس نے جملہ کاغذات محمود کے پاس ارسال کردیئے۔ اور اُسے تحریر کیا۔ کہ عطا محمدؐ والئے کشمیر کے مقابلہ میں آپ کا تعاون حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اُسے قرار واقعی سزا دی جائے۔

جب محمود پر یہ سازش کھلی۔ تو وہ بہت جھنجلایا۔ اور ایک جرار لشکر لے کر مہاراجہ کی فوج سے آملا۔ اور دونوں فوجوں نے کشمیر پر حملہ کردیا۔ ہولناک جنگ برپا ہوئی۔ اور والئے کشمیر گرفتار ہوگیا۔ مگر محمود نے اُسے معاف کردیا اور اپنے بھائی کو اس کی قید سے رہا کراکے رنجیت سنگھ کے حوالے کردیا۔

رنجیت سنگھ کی ہوسِ ملک گیری

اس واقعہ کے بعد رنجیت سنگھ کو تسخیرِ کشمیر کی ہوس دامنگیر ہوئی چنانچہ

اُس نے اسّی ہزار سکھوں کی بھاری جمعیت کے ساتھ چڑھائی کردی۔ ان دنوں کشمیر کا حاکم عظیم خاں تھا۔ اس کے پاس صرف دس ہزار مسلمان فوج تھی جس میں کچھ اُس نے کمین گاہوں میں چھپادی تھی۔ جوں ہی سکھوں کی فوج نے وادی کشمیر میں قدم رکھا۔ مسلمان سپاہیوں نے چاروں طرف سے حملہ کردیا۔ اور بے شمار سکھ گاجر مولی کی طرح کاٹ دیئے گئے۔ اور بعض گرفتار کرلیئے گئے۔ قیدیوں اور ہلاک ہونے والوں کی کل تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی باقی فوج بمشکل جان بچا کر اپنے ملک کو لوٹ گئی۔

رنجیت سنگھ کی پشیمانی

رنجیت سنگھ نے کشمیر کے حاکم کے ہاتھوں جو عبرتناک شکست کھائی تھی۔ اس کی وجہ سے بہت شرمسار تھا۔ لہٰذا اُس نے محمود سے معافی چاہی۔ اور یہ عذر پیش کیا۔ کہ میں نے شاہ شجاع کے ورغلانے سے اس حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔ جب شاہ شجاع اس عذر خواہی سے آشنا ہوا۔ تو لاہور سے انگریزوں کی آغوش پناہ میں چلا آیا۔ اگرچہ وہ انگریزی کا بدترین دشمن تھا لیکن انگریزوں کی خوش بختی تھی۔ کہ شاہ شجاع اُن کے پاس چلا گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس کی نہایت خاطر داری کی۔ جب رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع کے انگریزوں کے ہاں پناہ گزیں ہونے کی بابت سُنا۔ تو وہ بہت پشیمان ہوا۔ اور اس سے

لوٹ آنے کی استدعا کی مگر اس نے ایک نہ مانی پھر رنجیت سنگھ نے وہ جواہرات بھی اس کے پاس بھیج دیئے۔ جو شاہ شجاع نے اس کے پاس امانت رکھے تھے۔

شاہ زمان کی سیر و سیاحت

اسی زمانہ میں شاہ زمان نے سیر و سیاحت کا عزم کیا۔ اور بلخ میں حضرت علی رضی کی قبر کی زیارت کرنے کی غرض سے پہنچا۔ وہاں سے امیر بخارا کے ہاں مہمان ہوا۔ امیر نے نہایت شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا۔ شاہ زمان نے اپنی بیٹی اس کے عقد میں دی۔ اس کے بعد شاہ طہران میں پہنچا۔ فتح علی شاہ ایران نے اس کا شایان شان استقبال کیا۔ اور اُسے بہت سا سامان سفر پیش کیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ بغداد کو راہی ہوا۔ بغداد کا بادشاہ داؤد اس کیساتھ عزت سے پیش آیا۔ چند روزہ قیام کے بعد وہ حج بیت اللہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ آخر وہیں (ملک حجاز میں) اس کی وفات واقع ہوئی۔ شاہ زمان ایک خدا ترس، عالم باعمل بادشاہ تھا۔ فضلاء و امراء کی جماعت اُسے نہایت محبوب سمجھتی تھی۔

ایک عجیب فتنہ

اگر حقیقت اسلام در جہاں ایں است
ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی فیضی

جب افغانی سلطنت عجیب و غریب حوادث کی آماج بنی ہوئی تھی ۱۲۲۲ھ میں حاجی فیروز الدین والئے ہرات نے خراسان کے ملک کی تسخیر کا عزم کیا حاجی محمود کا بھائی تھا۔ جو اس کی طرف سے ہرات پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اُسے صوفی الاسلام بخاری کی ذات پر پورا اعتماد تھا۔ جو جبری صوفیہ میں سے تھا۔ اُسے دعوے تھا۔ کہ اس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے لاحول و لاقوۃ الا باللہ اور خوارق عادت پر اسے پورا عبور حاصل ہے۔ ان بلیسانہ دعوؤں سے اس کا مقصد بادشاہت کا حاصل کرنا تھا۔ فیروز الدین نے مختلف قبائل میں سے پچاس ہزار کا ایک لشکر عظیم ترتیب دیا۔ اور اُسے لیکر قلعہ شکیبان کی سمت روانہ ہوا۔ جب محمد خان تارچار کو معلوم ہوا۔ تو اُس نے بھی نبرد آزمائی کے لئے ایک ہزار فوج تیار کی۔ اور ہرات سے سات فرسنخ دور دونوں فوجیں مقابل ہوئیں نہایت خونریز جنگ ہوئی صوفی الاسلام ایک ڈولے میں متمکن تھا اور اس کے گرد ۲۶۰ جانثار تھے۔ جو اس کے مرید تھے۔ پہلے ہی حملہ میں وہ سب کے سب مع اپنے پیر و مرشد کے ہلاک ہو گئے۔ اور اس کی وحی اور خوارق عادات

کے مزعومہ دعادی دھرے کے دھرے رہ گئے۔ فیروزالدین کی فوجیں بھی یہ
رنگ دیکھ کر پسپا ہونے پر مجبور ہوئیں اور ہرات میں جا دم لیا۔ محمد خاں نے صوفی
کی لاش کو نذر آتش کر دیا۔ اور اس کے سر کی کھال اتار کر اس میں بھس بھر کر شاہ
ایران کے پاس بطور عجوبہ بھیج دیا۔ اور ساتھ ہی تحریر کیا۔ کہ یہ اُس شخص کا حشر
ہے۔ جو مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتا ہے اور نام نہاد
صوفیت سے سادہ لوح مسلمانوں کو دام تزویر میں پھانستا ہے اور دعادی
کرتا ہے کہ نظامِ قدرت اس کے قبضہ و تصرّف میں ہے۔ کیونکہ اس پر وحی نازل
ہوتی ہے اور اس کی ذات اسرار الٰہی و رموز ربانی کی مورد ہے"۔

جہاں مسلمانوں کو ایسے شیطانی فتنوں نے کمزور کیا ہے۔ وہاں مسلمانوں
کو بھی جاہلیت نے شدید نقصان پہنچایا ہے کہ وہ حق و باطل اور حقیقت و
فریب کے امتیاز سے عاجز ہیں اور ایسے فتنوں کو تقویت دیتے رہتے ہیں۔

جب فیروزالدین نے شکست کا منہ دیکھا۔ تو اُسے اور بھی اندیشہ ہو گیا۔ کہ
شاہ ایران کا عتاب ضرور فوج کشی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ چنانچہ اس نے
اُس کا دل اپنی طرف سے صاف کرنے کی غرض سے تحفے تحائف بھیجنا شروع کئے
ساتھ ہی لکھا۔ کہ وہ ہر سال ایک معقول رقم بطور خراج اس کی نذر کرتا
رہے گا۔ وہ کبھی اپنے آپ کو سنّی اور کبھی شیعہ ظاہر کرتا رہا۔ اس لئے ایرانیوں
اور اس کے مابین مصالحت کی فضا قائم رہی تا آنکہ شاہ ایران کے بیٹے

حسن علی مرزا والئے خراسان کو اُس سے انتہائی دشمنی ہوگئی۔ اب اُسے حملہ کا خوف دامنگیر ہوا۔ اس لئے اُس نے اپنے بھائی شاہ محمود کو امداد کے لئے درخواست کی جس نے فتح محمد خان کی قیادت میں اُسے ایک لشکر جرار دے کر روانہ کیا اور حکم دیا۔ کہ ہرات کے شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اور اُسے اپنے قبضہ میں کر لو جب محمودی فوج شہر کے پاس پہنچی۔ فیروز کو بدگمانی لاحق ہوگئی۔ اس لئے اُس نے فوج کو شہر میں داخل ہونے سے روکا۔ اور حکم دیا۔ کہ ایرانیوں کے قبضے سے مقام غوریاں کو نکالنے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ مگر فتح محمد خان اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے شہر میں داخلے کا ایک حیلہ سوچا۔ کہ اُسے مجلس مشاورت منعقد کرنے کے لئے اپنی چھاؤنی میں مدعو کیا۔ جب وُہ آیا۔ تو اُسے فوراً قید کر کے اہل و عیال سمیت قندہار بھیج دیا۔ اب فتح محمد خان کی فوجیں شہر کے اندر داخل ہوگئیں۔ خود وہیں اقامت گزیں رہا۔ اور اپنے بھائی کہندل خان کو غوریاں کو تسخیر کرنے کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ اُس نے خراسان کے نواحیات میں پیغامات بھیج کر لوگوں کو ایرانیوں کے خلاف معرکہ آرا ہونے کی دعوت دی۔ جب حسن علی مرزا اس امر سے آگاہ ہوا۔ تو وہ ایک بھاری جمعیت کیساتھ اس سے نپٹنے کے لئے روانہ ہوا۔ ادھر جب فتح محمد خاں کو معلوم ہوا۔ کہ حسن علی مرزا بھائی سے جنگ آزما ہونے کے لئے آرہا ہے تو وہ بھی پانچ چھ قبائل سے فوجیں جمع کر کے اس سے راستے میں مقابلہ کرنے

کو نکلا۔ اس کی فوج توپوں اور زنبورکوں سے بھی مسلّح تھی۔ جب اس کا لشکرِ جرار کو سیدہ تک پہنچا۔ تو اُسے پتہ چلا کہ حسن علی مرزا اپنی فوجوں کے ساتھ قریب ہی پہنچ گیا ہے۔ اور دونوں فوجوں کے درمیان صرف دونوں فوجوں کے درمیان صرف دو فرسنگ کا فاصلہ باقی ہے۔ فتح علی خاں نے حسن علی مرزا کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ "فتح تمہیں ہوگی یا مجھے؟ اس کی خبر تو اسی علیم و بصیر کو ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے۔ کہ تم غرورِ شاہزادگی میں اپنی سلطنت کو متزلزل کر دو۔ اور تم کسی ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ۔ جو تمہارے خاندانی زوال کا باعث ہو جائے اس لئے لڑائی کرنے سے پہلے بخوبی سوچ سمجھ لو۔"

جب شاہزادہ نے یہ پیغام سُنا۔ تو حسبِ عادت غصّے سے لال بھبھوکا ہو گیا۔ اور بکمال رعونت سے اس کا جواب دیا۔ کہ "تمہارا آقا تو وہی ہے۔ جو میرے والد بزرگوار کے سایہ عاطفت کا پروردہ ہے اور شاہی نعمتوں کا پالا ہے۔ اس لئے تمہیں ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیئے لیکن تم بھی تو وہ خائن ہو جس نے اپنے قبیلہ سدوزئی کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اور اُس سے لڑائی کرتے ہوئے تمہیں شرم آئے۔"

"افغانوں کی شکست"

جب فتح علی خاں نے صلح کی کوئی صورت نہ دیکھی۔ تو اپنی فوج کا قرقلعہ

کی طرف بھیجی ایک ہولناک معرکہ آرائی ہوئی۔ اور جامبہ کے ہزاروں آدمی کھیت رہے۔ افغانی جنگ کا پلہ بھاری نظر آتا تھا۔ اور قریب تھا کہ ایرانی شکست کھا کر بھاگیں۔ کہ فتح علی خاں کے منہ میں ایک گولی پیوست ہو گئی۔ اور اُس نے ہرات کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ اس کی نہایت خوردگی سے محمود اور اس کا بیٹا۔ جو اسوقت وہیں تھے بہت ہراساں ہوئے۔ ملاّ شمس مفتیٔ ہرات اور خان ملاّ شیخ الاسلام نے شاہ ایران کو محمود کی عذرخواہی کے لئے تحریر کیا۔ کہ فتح علی خان نے جو کارروائی اختیار کی ہے اس سے محمود بالکل ناواقف تھا۔ نہ ہی یہ حرکت اس کے ایما سے سرزد ہوئی ہے۔ لیکن شاہ نے جواب بھیجا۔ کہ میں محمود سے اس شرط پر رضامند ہوں۔ اگر وہ فتح علی خان کو میرے پاس بھیجدے یا خود اس کی آنکھیں نکال دے۔

احسان فراموشی

محمود تو فتح علی خان سے ایسا طرز سلوک روا رکھتے ہوئے متذبذب تھا۔ لیکن اس کے بیٹے کامراں کو یہ جسارت ہو گئی۔ کہ وہ ایک بہادر شخص کی آنکھیں نکلوا دینے پر آمادہ ہو گیا جس نے اس کے باپ کو حصول تاج و تخت میں مدد دی تھی۔ چنانچہ اُس کی آنکھیں نکلوا کر اسے اپنے بھائی شیر دل خان کے ساتھ قید خانے میں ڈال دیا۔ فتح علی خان کا ایک اور بھائی تھا جس کا

نام دل خان تھا۔ اس نے جب سُنا۔ کہ میرے بھائیوں کا یہ حشر ہوا ہے۔ تو وہ اُن کا انتقام لینے کی غرض سے ایک فوج لے کر روانہ ہوا۔ مگر جب کامران کو دل خان کی روانگی کا علم ہوا۔ تو اُس نے دونوں بھائیوں کو رہا کر دیا۔

جب فتح خان کی آنکھیں نکلوادی گئیں۔ تو اس کے سب بھائیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور وہ اس کا انتقام لینے کی فکر کرنے لگے۔ ایک تو محمود کے بھائی تھے۔ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ اور انہیں ہوس ملک گیری نے اندھا کر دیا تھا۔ مگر ایک فتح خان کے بھائی بھی تھے جو ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ ان کی تعداد بیس کے قریب تھی چنانچہ انھوں نے محمود کے بھائیوں کی نااتفاقی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور اُن سے مل کر محمود کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا۔

چنانچہ فتح محمد خان کے بہادر بھائی عظیم خان والئے کشمیر نے اپنے دو بھائیوں یار محمد خان اور دوست محمد خان کو فوج دے پشاور روانہ کیا۔ تاکہ شہزادہ ایوب کو افغانستان کا تاجدار بنایا جائے۔ چنانچہ دونوں نے اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور جلال آباد کی طرف پیش قدمی کر کے کابل کو فتح کر لیا اپنے بھائی محمد زمان کو شاہ شجاع کے بلانے کو بھیجا۔ جو اسوقت ہندوستان میں مقیم تھا۔ چنانچہ وہ آیا۔ اور اس نے کئی ایک علاقوں پر چڑھائی کر کے انہیں قبضہ میں کر لیا۔ اسی طرح محمود کے قبضے میں جتنے علاقے تھے۔ ان سب کو فتح

کر لیا گیا: تا آنکہ اس کے پاس صرف دو علاقے ہرات اور قندہار باقی بچے۔ کچھ عرصہ بعد قندہار بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور اب ہرات اور اس کے نواح تک اس کی حکومت محدود ہو گئی۔ جب محمود کی سلطنت کا چراغ انتقام کی آندھی نے بجھا دیا۔ تو فتح محمد خاں کے بھائیوں نے محمود کے بھائیوں سے بھی تمام علاقے چھین لئے یہ سب کچھ فتح محمد خان کی آنکھیں نکلوا دینے کا بدلہ تھا۔

باپ بیٹے کی معرکہ آرائی

جوع الارضی وہ مرض ہے جس کے شکار باپ کو باپ نہ بیٹے کو بیٹا خیال کرتے ہیں ۱۲۴۱ھ میں محمود نے اپنے بیٹے کامران کے تیوروں کو بدلتا ہوا محسوس کیا۔ اور وہ دل ہی دل میں ڈرنے لگا۔ کہ مبادا میرا بیٹا میرے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ وہ ہرات سے بیٹے کے مقابلہ کو نکلا۔ بیٹا حسن علی مرزا کے پاس پناہ کا طالب ہوا۔ اور باپ کے خلاف مدد کا ملتمس ہوا۔ اس نے اسکی مدد کی۔ اور وہ اپنے باپ کے مقابلہ کو نکلا۔ محمود نے شکست کھائی۔ اس واقعہ کے بعد کامران نے ہرات میں جشن فتح یابی منایا جس میں حسن علی مرزا کو بھی مدعو کیا گیا۔ اور اپنے تمام خزانوں کی کنجیاں اُس کے سپرد کر کے حق نمک ادا کیا گیا۔

رنجیت سنگھ کی کشمیر پر دوبارہ لشکر کشی

رنجیت سنگھ نے افغانوں کے اندرونی جھگڑوں کو غنیمت سمجھا اور اسکی طاقت زور پکڑنے لگی عظیم خان اپنے بھائی دوست محمد خاں سے ملنے کے لئے کابل گیا ہوا تھا۔ رنجیت سنگھ نے اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھایا۔ اور کشمیر پر لشکر کشی کر کے اُسے تسخیر کر لیا۔

کامران کی دربار ایران سے درخواست اعانت

۱۲۴۵ھ میں کامران نے اپنا ایک سفیر دربار ایران میں بھیجا۔ کہ اپنے باپ سے لڑنے میں مدد چاہے۔ مگر جب سفیر پہنچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ شاہ وبائی مرض کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکا ہے۔ اس لئے مجبوراً فیروزالدین سے امداد کا طالب ہوا۔ فیروزالدین نے نئے شاہ سے مدد لینے کی سفارش کرنے کا وعدہ کیا۔ فیروزالدین قندہار میں قید تھا۔ اور وہاں سے فتح خان کی گرفتاری کے وقت بھاگ کر ایران چلا گیا تھا۔ اور آجکل سلطنت کے دربار ہی میں موجود تھا۔

لیکن پیشتر اس کے کہ وہ سفیر سے طے کی ہوئی گفتگو کو جامہ عمل پہناتے کچھ فوج جمع کر کے ہرات کی سمت روانہ ہوا۔ مگر راستے میں اس کے خدمتگار دل

اور ایرانیوں میں کوئی تنازعہ رونما ہو گیا۔ چنانچہ وہ اپنے آدمیوں کی امداد کو پہنچا۔ لیکن ایرانیوں نے اُسے بیگانگی میں تہ تیغ کر ڈالا۔

"ہرات پر حملہ"

شاہ ایران نے تسخیر کرنے کے لئے ایک فوج بھیجی جس کی قیادت اپنے بیٹے محمد مرزا کے سپرد کی۔ چنانچہ شدید معرکہ آرائی کے بعد ہرات کا محاصرہ کر لیا گیا۔ انگریزی سفیر کیمل اس جنگ کے روکنے میں بہت کوشاں تھا۔ لیکن اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا نصیب ہُوا۔

محمد مرزا ہرات کو محصور کئے تھا کہ اچانک اسے خبر پہنچی۔ کہ اس کا باپ مر گیا ہے۔ چنانچہ موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اس نے کامران سے صلح کر لینا بہتر خیال کیا۔ کامران نے بھی صلح کر لینے میں مصلحت پائی۔ اور شرائط صلح اپنے وزیر یار محمد کے سپرد کیں۔ جو اُسوقت مشہد کے مقام پر ایرانیوں کے قیدی کی حیثیت سے پڑا تھا۔

چنانچہ شرائط صلح طے کر لی گئیں۔ جن کی رو سے یہ قرار پایا۔ کہ ہرات میں فتح علی شاہ ایران کا سکہ جاری ہو اور کامران ہر سال ۱۵ ہزار تومان اسے بطور خراج ادا کرے۔

برطانوی سیاستدانی

جب انگریزوں نے دیکھا۔ کہ ایرانی افغانی ممالک پر قابض ہو کر زور پکڑ رہے ہیں۔ تو انہوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کے لئے ایک خطرہ عظیم محسوس ہوا۔ چنانچہ انہوں نے لومڑی کی چال چلی جس کے وہ شروع ہی سے عادی ہیں۔ انہوں نے رنجیت سنگھ اور میر غلام علی خان والئے سندھ کو گانٹھ لیا۔ حالانکہ دونوں ان کے اثر سے آزاد تھے۔ اُن سے کہا۔ کہ افغانستان کا تاج و تخت حاصل کرنے کے لئے شاہ شجاع کی مدد کریں۔ خود بھی امداد کرنے کا وعدہ کیا۔ دونوں حاکم اس مشورے کو مان گئے۔ چنانچہ شاہ شجاع ایک جرار لشکر لے کر پنجاب کے راستے سے قندہار کی طرف روانہ ہوا کہندل خان اور اس کے بھائیوں نے اُسے عبرتناک شکست دی۔ اور وہ بھاگ کر اپنے چچا زاد بھائی کامران کے پاس گیا۔ اور امداد کی درخواست کی۔ جو ٹھکرا دی گئی شاہ بے یار و مددگار مارا مارا پھرا۔ آخر کار سفر کی صعوبات جھیلتا ہوا دوبارہ ہندوستان کو لوٹ آیا۔

تیمور شاہ کی کثرت اولاد

ان عبرتناک واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تیمور شاہ نے

اپنی نفسانی حرص و ہوا کے زیر اثر کئی سو غیر ملکی بیویاں کر لیں اور اُن سے اس قدر اولاد حاصل ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ اُس نے اپنے خون سے جو سلطنت قائم کی تھی وہ بھی بھائیوں کی باہمی خانہ جنگیوں کی نذر ہو گئی اور حکومت اس کے ایک بیٹے کے نصیب میں بھی نہ ہوئی۔

ایرانیوں کی ہرات پر دوبارہ فوج کشی

۱۲۵۱ھ میں کامران سیستان پر حملہ آور ہوا۔ اور وہاں کا امیر محمد شاہ بن عباس مرزا کے پاس پناہ کا طالب ہوا۔ اس موقعہ کو شاہ ایران نے غنیمت سمجھا۔ اور ہرات پر حملہ کر دیا۔ کامران محصور ہو گیا۔ اس دوران میں افغانی بہادر قلعے سے نکل نکل کر شاہی فوجوں پر جان توڑ حملے کرتے تھے۔ ایک مدت تک محاصرہ کی حالت قائم رہی۔ آخر کامران نے تنگ آ کر اپنے بھائی نادر مرزا کو میمنہ شبرغان اور اسد بلوں کی سمت بھیجا۔ تاکہ قبائل اوزبک اور ہزارہ کو اپنے ساتھ شریک کر کے ایرانیوں پر چڑھائی کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ مابین میں گھمسان کا رن پڑا۔ دو طرف سے بے شمار بہادر کام آ گئے۔ مگر ایرانی لشکر غالب آیا۔ یہ دیکھ کر کہ کامران کی پریشانیوں میں ترقی واقع ہو گئی۔ اُس نے اس لڑائی کو مذہبی جہاد بنانے کی تدبیر کی۔ اور اپنے وزیر سے صلاح مشورہ کر کے ایک مشہور عالم عبدالحق کو اس کام پر

مامور کیا۔ اس نے جمعہ کے روز سب مساجد میں خطبہ پڑھ کر جہاد کا اعلان کر دیا۔ سب لوگ اس پر متفق ہو گئے۔ اور جہاد کی تیاریوں میں لگ گئے۔ اس کے بعد ایرانیوں اور افغانیوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ مگر اس کے باوجود ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اور وہ شہر سے نکلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

انگریزی سفیر کی شاطرانہ چال

اب برطانوی سفیر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔ اور شاہ سے ملاقات کی۔ اس سے کہا "مجھے اجازت ہو۔ تو میں کامران کے پاس جاؤں اور اُسے آپ کی اطاعت پر آمادہ کر دوں"۔ انگریزی سفیر کو اپنی قوم و وطن کا مفاد ملحوظ تھا۔ کہ اب ہرات فتح ہوا چاہتا ہے۔ اور اس سے ہندوستان کے انگریزی مقبوضات کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ ایرانی اور افغانی آپس میں متحد ہو جائیں۔

ادھر اُس نے شاہ کو تسلّی دی۔ اور ادھر وہ شاہ کی اجازت سے کامران کے پاس گیا۔ اور اس سے کہا "ہمت ہارنا افغانی قوم کا شیوہ نہیں یہ ہرگز مناسب نہیں۔ کہ تم ایرانیوں کی اطاعت قبول کرو۔ اگر چندے صبر و استقامت سے ڈٹے رہو۔ تو ہم عنقریب تمہاری امداد کریں گے اور اپنی توپیں اور بندوقیں تمہاری مدد کے لئے بھیجیں گے"۔ یہ کہہ کر دوبارہ شاہ

کے پاس لوٹ گیا۔ اور اس سے جا کر کہنے لگا "میں نے اُسے لاکھ سمجھایا۔ اور ڈرایا دھمکایا بھی اور ترغیب و تحریص سے بھی کام لیا۔ لیکن اُس نے میری ایک نہ مانی"۔ بادشاہ یہ سن کر آگ ہو گیا۔ اور جس قدر ذنا بنا لشکر گاہ میں تھا اُسے جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور اُس سے ایک عظیم الشان اور مہلک توپ تیار کرائی۔ جسے شہر کے پاس ایک اونچے سے ٹیلے پر نصب کر دیا۔ اور اندھا دھند گولہ باری شروع کر دی۔ محصورین پہلے ہی اشیائے خوردنی کی گرانی و نایابی کے باعث قحط زدہ ہو رہے تھے۔ اب اس نئی مصیبت سے اور بھی جاں بلب ہوئے۔ آخر کار چودہ ہزار معمّر اور ضعیف العمر اشخاص شہر سے باہر نکال دیئے گئے۔ یہ دیکھ کر کامران کو سوا اطاعت کے اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ لیکن انگریزی سفیر جو صورتِ حالات کو لومڑی کی طرح تاڑ رہا تھا۔ اس سے پریشان ہوا۔ اور شاہ ایران سے استدعا کی۔ کہ انگلستان اور آپ کی سلطنت کے درمیان دوستانہ مراسم ہیں۔ اور ہرات کی فتح سے ہندوستان میں بغاوت پھوٹنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اگر حضور اس خیال کو ترک کر دیں۔ تو بہت مناسب ہو گا"۔ مگر شاہ نے اسے قبول نہ کیا۔

جب توپ کی بے پناہ گولہ باری سے شہر کا ایک حصّہ منہدم ہو گیا اور فتح یقینی تھا۔ کہ برطانوی سفیر شاہ کے پاس گیا۔ کہ حکومتِ برطانیہ کی عزت کے طفیل تین دن کے لئے ہرات میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔

مجھے اُمید ہے۔ کہ میری استدعا کو مانا جائے گا۔"

جب سفیر نے شاہ کو برطانوی عزت کا واسطہ دیا۔ تو اس نے اس کی استدعا منظور کر لی۔ اور وہ کامران اور اس کے رفقائے کار کے پاس پہنچا۔ سفیر نے اُسے اُسے پانچہزار پونڈ نقد دیئے۔ اور کہا۔ کہ تین دن کے اندر اندر شہر پناہ کا مسمار حصّہ از سر نو تعمیر کر لو۔ اور لڑائی پر ڈٹے رہو۔ عنقریب خلیج فارس کے راستے سے ہمارے جہاز آتے ہیں۔

۱۲۵۵ھ میں شاہ پر انگریزی سفیر کی منافقت کھلی۔ اور اُس نے اُسے اپنے لشکر گاہ سے نکال دیا۔ شاہ کے غصّے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چنانچہ اُسنے دوبارہ کامران پر حملہ کیا۔ ایرانی قلعہ کی فصیلوں پر چڑھ چڑھ کر بے جگری سے سے لڑتے تھے۔ اور افغانی نہایت بہادری سے اُن کی مدافعت کرتے تھے یہ کشمکش جاری تھی۔ کہ خلیج فارس سے چند انگریزی جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوئے اور ایک دو مقامات پر قابض ہو گئے۔ جب شاہ نے یہ خبر سنی تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اور ہرات کا محاصرہ ترک کر کے انگریزوں سے نبرد آزما ہونا مناسب خیال کیا۔

دراصل ہرات کے محاصرہ کے دوران میں انگریزوں نے شاطرانہ چالیں چلنا شروع کر دی تھیں۔ امرائے کابل و قندھار وغیرہ کو ایرانیوں کے خلاف اعلان جہاد کرانے کے لئے اپنے دام فریب میں پھانسنا چاہتے تھے اور

اس مقصد سے انہوں نے بے شمار روپیہ بھی مخصوص کر رکھا تھا۔ مگر اُن کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہوئیں۔ کیونکہ محاصرۂ ہرات کے دوران میں افغان اور شاہ ایران سے دوستانہ تعلقات قائم کر رہے تھے۔ اور انگریزوں کو خدشہ لاحق تھا۔ کہ ان ہر دو اقوام کے اشتراک و اتحاد سے ہندوستان میں ان کے راج کو بہت ضعف پہنچے گا۔ اس لئے وہ افغانستان پر قابض ہونے کی تدابیر سوچنے لگے۔

افغانستان کے جن علاقوں پر افغانی امرا مسلط تھے۔ افغان رعایا اُن سے قدرے ناراض تھی۔ اور انگریزوں نے اس ناراضی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہندوستان میں شاہ شجاع کو تیار کیا۔ انہوں نے ایک جرار فوج ترتیب دی۔ اور اس کی قیادت بڑے بڑے انگریزی افسران کے ہاتھ میں دی فوج کے آگے کچھ افغانی مقرر کر دیئے۔ جو افغانوں سے کہتے جاتے تھے۔ کہ "تمہارے موجودہ حکمران حقیقی نہیں۔ اس لئے ان کی اطاعت سے آزاد ہو کر اپنے اس اصلی حکمران کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ شاہ شجاع ہی افغانی تاج و تخت کا صحیح والی و وارث ہے۔"

جب شاہ شجاع اپنی فوجوں کے ساتھ قندھار پہنچا۔ تو کہندل خاں والئے قندھار نے سوچا کہ شاید اہل شہر شجاع کے ساتھ ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے خاندان کو لے کر پانچ سو سواروں کے ساتھ طہران کی راہ لی۔ شاہ ایران کی آسین کی

نہایت عزت کی۔ اور اُسے ایران کے ایک شہر بابک کی حکمرانی مرحمت فرمائی
شاہ شجاع نے جو انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ ایک انگریز
ناڈا کو کنہمل خان کے علاقے کا حاکم مقرر کیا۔ اور خود فوج کے ساتھ کابل کو
کوچ کیا۔ جب وہ کابل میں پہنچا۔ تو وہاں کے والی دوست محمد خان نے خود کو
مدافعت کے ناقابل تصور کیا۔ اور مجبوراً امیر بخارا کے پاس طالب امداد ہوا۔
مگر اس نے اس کی درخواست کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ ناچار وہ کابل
کو لوٹا۔ اور اپنے آپ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ جو اسے بحیثیت قیدی کلکتہ
میں لے آئے۔

شاہ شجاع نے کابل میں بھی ایک انگریز سردار کو حاکم مقرر کر دیا۔ جو بغیر
کسی تنازعے کے جلال آباد پر مستلط ہو گیا۔ پھر انگریزوں نے کامران پر ڈورے
ڈالنے کے لئے بیس انگریزوں کے ساتھ بیس ہزار پونڈ ارسال کئے۔ اور اس سے
کہا کہ وہ شاہ شجاع کی حکومت کو تسلیم کر لے۔ کامران نے روپے لے لئے۔ اور
جب تک وہ ضروری مصارف میں استعمال نہ ہو گئے۔ انگریز قاصد کو روکے رکھا۔
اس کے بعد اُسے اپنی حدود سلطنت سے نکال دیا۔ اور محمد شاہ کے پاس پیغام
صلح بھیجا۔ کہ سکہ اور خطبہ شاہ کے نام کا جاری ہو گا۔

برطانوی دامِ فریب

افغانستان کے اکثر علاقوں میں شاہ شجاع کی حکومت قائم ہوگئی۔ اور انگریز مسرت کے شادیانے بجانے لگے۔ کیونکہ بظاہر شاہ شجاع کی حکومت تھی لیکن حقیقت میں افغانستان پر برطانوی راج مسلّط ہو رہا تھا۔ اور برطانوی سردار اپنی شاطرانہ چالوں کی کامیابی پر پھولے نہ سماتے تھے۔ مگر وہ افغانوں کی غیرت کے تجربہ سے ناآشنا تھے لیکن آخر کب تک کاٹھ کی ہنڈیا ہمیشہ چولھے پر چڑھی رہے گی۔ لہذا اس نے چند اشخاص کو بعض قبیلوں سے خراج وصول کرنے کو روانہ کیا لیکن غیرت مند قبائل نے بندوقوں کی گولیوں سے اُن کا استقبال کیا۔ اور خراج دینے سے قطعی انکار کر دیا۔ انھوں نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا جب شاہ شجاع کو معلوم ہوا۔ کہ اُس نے کچھ فوج اُن کی گوشمالی کے لئے بھیجی ہے تو انھوں نے دیکھا۔ کہ اس سے مقابلہ کرنا اُن کے بس کا روگ نہیں جنانچہ وہ تو منتشر ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔

پہلی رجب ۱۲۵۵ھ کو کابل سے تین خوانین نے جو غلجی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چند قبائل کی ایک جماعت سے شریک ہو کر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا حتیٰ کہ کابل سے تین فرسنخ کے فاصلہ پر ہندوستان اور کابل کا راستہ مسدود کر دیا۔

کر دیا قبیلۂ خلجی کے اکثر بارسوخ آدمیوں کو حکومت ہند کی طرف سے وظائف ملتے تھے۔ مگر اب والیسرائے نے کفایت شعاری کے پیش نظر یہ وظائف بند کر دیئے تھے۔ اس لئے اس قبیلہ کا ایک بڑا گروہ انگریزوں کا مخالف تھا۔ ادھر جب دوست محمد خان کو انگریزوں نے کلکتہ میں نظربند کر دیا۔ تو اس کے لڑکے محمد اکبر خاں نے جو افغانستان میں پھر پھر کر لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ خلجیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور زور پکڑنے لگا۔
اب جب انگریزوں نے یہ حالات دیکھے۔ تو اپنے افسران کو کچھ فوج دیکر اس فتنے کے استیصال کے لئے روانہ کیا۔ خلجی جماعت نے ان پر دھاوا بولا۔ اور ایک انگریز ہلاک کر دیا۔ چنانچہ انگریزوں نے آگے بڑھنا رک دیا۔ اتنے میں جنرل سیل ایک فوج پیچھے سے لے کر اپنے ساتھیوں سے آملا۔ ان پر افغانوں کا خوف غالب تھا۔ آخر انہوں نے محمد اکبر خاں کی کمین گاہ پر حملہ کر دیا۔ راستے میں دو تین روز تک جنگ جاری رہی۔ مگر انگریزوں کو کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی جب کابل سے باہر یہ واقعات رونما ہو رہے تھے۔ اسی دوران میں شاہ شجاع نے حمزہ خان خلجی کو زیر حراست کر لیا۔ یہ شخص اپنے قبیلے کا ایک با اثر سردار تھا۔ اس کا گرفتار ہونا تھا۔ کہ اس کی ساری جماعت آمادہ بغاوت ہو گئی۔ اور تمام راستے منقطع کر دیئے میجر گریفس ایک زبردست جمعیت کیساتھ مقابلہ کو نکلا۔ مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اور کئی برطانوی افسر موت کے گھاٹ

اُتار دیئے گئے۔

بغاوتِ عام

اس واقعہ کے بعد سارے شہر میں بغاوت کی آگ کے شعلے بلند ہونے شروع ہوئے۔ رعایا نے پرنس الیگزینڈر کو نہایت بے رحمی سے گرفتار کر کے سرِ عام تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ دکانیں بند کر دی گئیں۔ اور خزانہ شاہی لوٹ لیا گیا۔ شاہ شجاع اس وقت بالا حصار میں مقیم تھا۔ جب اس نے بغاوت عام کی خبر سنی تو اس آگ کو فرو کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو کچھ فوج دی۔ اور وہ دو توپیں بھی لیتا گیا مگر اس کا نتیجہ اس کے حق میں خوشگوار ثابت نہ ہوا۔ بلکہ ۱۴ شعبان کو افغانوں نے زبردست حملہ کیا۔ اور قلعہ محمد شریف اور نانغشاہ دو مقامات پر متصرف ہو گئے انہوں نے انگریزی استحکامات اور ذخیرہ کے درمیان کا راستہ بھی قبضہ میں کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ انگریزی اور ہندوستانی فوج قلعے کی حفاظت کر رہی تھی۔ جو افغانوں کے محاصرہ کو توڑنے میں ناکام ثابت ہوئی۔ اور انگریز قلعہ افغانوں کے حوالے کر دینے پر رضامند ہو گئے۔ اور قلعے میں ان کا جو سردار انسن وارن نامی تھا۔ زیر حراست کر لیا گیا اب انگریزوں نے کپتان سوئین کو بہت سی فوج دیکر بھیجا تاکہ انسن وارن کو افغانوں کے پنجے سے رہائی دلائے افغانوں نے راستے میں انگریزوں پر سخت حملہ کیا۔

اور کپتان مذکور اپنے بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ افغانوں کی گولیوں کا نشانہ بنا۔ باقی فوج نے لشکر گاہ کی سمت راہ فرار اختیار کی۔ انگریزوں نے پھر کچھ فوج انس کاران کی زیر قیادت روانہ کی۔ لیکن اُسے بھی وہی حشر نصیب ہوا۔ جو اس کے پیشرو کی تقدیر میں تھا۔

اس کے بعد کپتان بوبڈا اپنے جنرل کمانڈنگ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور اس سے کہا، اگر قلعہ کو جس میں پچاس ہزار پونڈ کی قیمت کا ذخیرہ ہے دشمن کے سپرد کر دیا گیا۔ تو ہمارے پاس صرف دو دنوں کا راشن رہ جائے گا۔ کیونکہ موجودہ صورتِ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر یہ ناممکن ہے۔ کہ ہم مزید سامان خوردنی مہیا کر سکیں۔"

جنرل کمانڈنگ نے یہ سُن کر حکم بھیجا۔ کہ "جس طرح ممکن ہو۔ جان توڑ کر لڑو۔ اور ہرگز قلعہ دشمن کے حوالے نہ کرو۔ میں عنقریب کمک بھیجونگا "

اس پر انس ورن نے جواب دیا۔ کہ" اگر آج رات تک ہمارے پاس کمک نہ پہنچی۔ تو بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اور ہم دشمن سے کسی طور نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمارے آدمیوں پر افغانوں کا خوف غالب ہے اور وہ ان سے بہت مرعوب ہیں۔ حتے کہ ہمارا ایک آدمی کل قلعے پر کھڑے کھڑے زمین پر آ رہا۔ کیونکہ وہ خوف سے لرز رہا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ افغانوں کا ایک آدمی قلعے کے ایک برج کے نیچے سرنگ لگا رہا ہے جس کے باعث

ہمارے آدمیوں پر اور بھی دہشت طاری ہو گئی ہے۔ اگر آج ہماری امداد کی صورت نہ نکالی گئی۔ تو ہم یقیناً دشمن کے قبضے میں چلے جائیں گے۔

یہ جواب سن کر انگریزی فوج کے قائد اعظم نے امراء اور فوجی افسروں سے مجلس مشاورت برپا کی مگر قلعہ کی محافظ فوج کو غنیم کے قبضہ سے رہا کرانے کی کوئی تدبیر بن نہ آئی۔ آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ رات کے وقت قلعہ کی محصور انگریزی فوج کو کمک بھیجی جائے۔ انگریزوں کا خیال تھا کہ شاید افغان فوجیں کسی وقت غافل ہونگی۔ اس خیال کے تحت اس نے اپنے جاسوسوں کو بھیجا تاکہ ان کی نقل و حرکت کا پتہ چلائے۔ جب جاسوس وہاں سے آئے۔ تو نہایت زرح فرسا اطلاع لائے چنانچہ انگریزوں کو معلوم ہوا کہ افغان ہر لحظہ چوکنے رہتے ہیں۔ اور آج کی رات قلعہ پر قابض ہونے کی تدابیر پر غور کر رہے ہیں چنانچہ انگریزوں نے کمک بھیجنے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

جب صبح نمودار ہوئی۔ تو انھوں نے نہایت جرأت و دلیری سے قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ اور اس کا ایک دروازہ نذر آتش کر دیا۔ لیکن قلعہ کی محصور فوج دوسرے دروازے سے اپنے لشکر گاہ میں جا داخل ہوئی۔ انگریز اس عبرتناک شکست سے سخت آتش زیر پا ہوئے۔ اور اپنی فاقہ زدگی کے خوف سے قلعہ پر قبضہ کرنے کی تجاویز سوچنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے ایک میجر کی زیر قیادت فوج قلعہ محمد شریف پر قابض ہونے کے لئے روانہ کرنا چاہی۔ مگر میجر کی متذبذب

حالت دیکھ کر اس ارادے کو اسوقت ملتوی کر دیا میجر کبھی چھپ جاتا۔ اور کبھی اس مہم سے بچنے کے لئے راہ میں کترا جاتا۔ دوسرے دن جنرل کرنفنس کی زیر سرد گی ایک فوج بھیجی گئی جو قلعہ کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اور نصف باغ شاہ پر کبھی متصرف ہوگئی۔ افغانی اس شکست سے بہت تلملائے۔ اور غیرت سے کٹ مرنے کے لئے سر بکف اور کفن بدوش میدان کارزار میں نکل آئے انہیں اپنے ایک افغانی سردار عبداللہ خان کی شہادت کا بھی سخت رنج تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک ہی حملے میں باغشاہ کا مفتوحہ حصّہ دوبارہ چھین لیا۔ اور بہت سے انگریزوں کو تہ تیغ کر کے انتقام کی پیاس بجھائی۔

۹ شعبان کو کابل سے قبیلہ قزلباش نے افغانوں کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔ اور قلعہ محمد شریف پر تابڑ توڑ حملے کرنا شروع کئے جس سے انگریز نہایت دہشت زدہ ہوئے۔ اسی دوران میں انگریزی کمانڈر انچیف صاحب فراش ہوا۔ انگریزی حاکم اعلیٰ نے بریگیڈیر شیلٹن کو اس کا قائمقام مقرر کیا۔ بریگیڈیر نے بالاحصار کی انگریزی فوج اور شاہ شجاع کے لشکر کو اپنے ساتھ شامل کر کے افغانی استحکامات کی طرف رُخ کیا۔ اس پر بھی افغانوں کی شجاعت اس درجہ غالب تھی۔ کہ اُس نے اپنی فوج کو جرأت و دلیری کا خطاب کرنے کی بجائے نہایت حوصلہ فرسا لہجہ میں کہا ہم ہمیشہ غلط فہمی میں مبتلا رہے ہے۔ اور افغانوں کی شجاعت کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے رکھیں۔ افغان ایک نہایت شجاع

اور غیور قوم ہے۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر ہم یہاں اقامت گزین رہے۔ تو افغان ہماری تکا بوٹی کر دیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم یہ مقام چھوڑ کر جلال آباد چلے جائیں اور وہاں جا کر اپنے قومی استحکامات ترتیب دیں۔

سردار لشکر نے جواب میں کہا "ہمیں یہاں سے جانا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ اگر ہم باہر نکل کر افغانوں کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ ہم دانستہ اپنے آپ کو شیروں کے جبڑوں کی خوراک بنا رہے ہیں۔ ہم میں جب تک جان ہے۔ یوں ہی مدافعت کرتے رہیں گے۔"

اس باہمی اختلاف نے ان کی فوجوں کا خوف وہراس اور بھی ترقی کر گیا افغانوں نے ان کے تذبذب سے فائدہ اٹھا کر انگریزی چھاؤنی کے مشرق و مغرب کی سمت جو مقامات واقع تھے۔ ان پر قبضہ کر لیا۔ اور برج ریکا باش پر بھی متصرف ہو کر اپنی توپوں اور بندوقوں کے منہ انگریزوں کی طرف کھول دیئے انگریزی فوج نے مشرقی دروازہ سے فرار ہونا چاہا۔ مگر وہ راستہ فراموش کر بیٹھا۔ اور دوسری جانب سے نکلا۔ افغانوی فوجوں نے اس پر جان توڑ حملہ کیا۔ اور اس کے بے شمار آدمی ہلاک کر دیئے کپتان مذکور اس مصیبت سے موت کو زیادہ آسان سمجھنے لگا۔۔ دو انگریزی افسر اپنی فوجیں لے کر مصیبت زدہ کپتان بلو کی امداد کرنے کو نکلے۔ مگر افغانی فوجوں نے راستے ہی میں ان کو جا لیا۔ اور دونوں انگریزی فوجوں کے کثیر التعداد آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اور انگریزی

فوج میں سے صرف ایک لفٹیننٹ برتھ اور ایک دوسرا شخص اپنی جانیں سلامت لے گئے۔ لیکن اس شکست و فتح کی کشمکش میں انگریزوں نے قلعہ ریکا باش اور ذوالفقار کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ چنانچہ فاقہ کش انگریزوں نے جب باقی قلعوں میں کافی مقدار میں گندم پائی۔ تو اُن کی جان میں جان آئی۔ وہ رات کے وقت قلعہ سے گے اس ذخیرے کو اپنی چھاؤنی میں لے جا رہے تھے۔ کہ افغان راستے میں ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور دونوں قلعوں کو دوبارہ لے لیا۔ شکست خوردہ انگریز بھاگ کر اپنی چھاؤنی میں پناہ گزیں ہوئے۔

افغان ان غیر ملکی حملہ آوروں کو اپنے وطن عزیز سے نکالنے کے لئے تہیہ کئے ہوئے تھے۔ ۸ شعبان کو اُن کی ایک مختصر سی جمعیت نے ایک بلند ٹیلے پر تین توپیں نصب کیں۔ اور انگریزوں پر گولہ باری کرنا شروع کر دی وزیر مختار شلٹان نے میجر سٹوین کو حکم دیا۔ کہ پیش قدمی کر کے توپوں پر قبضہ کر لے۔ چنانچہ میجر ایک فوج لے کر نکلا۔ جب اس کی فوج افغانوں سے پندرہ گز کے فاصلہ پر پہنچی۔ تو افغانوں نے زبردست معرکہ آرائی کی۔ مگر گرمی کی شدت کے باعث وہ میدان میں ٹھہر نہ سکے۔ اور افغانی سواروں کے واپس ہونے پر پیدل فوج بھی لوٹ آنے پر مجبور ہوگئی۔ چنانچہ انگریزوں نے ٹیلے پر قبضہ کر لیا۔ توپ کی ایک گاڑی کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ اور باقی دو توپوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے لشکر گاہ میں پہنچے۔ اس فتح نے ان کے حوصلے بلند کر دیئے۔ لیکن جب انہیں یہ معلوم

ہوا۔ کہ جنرل سیل نے موسم بہار بیتنے سے پہلے جلال آباد سے کمک بھیجنا بند کر دیا ہے۔ تو ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ مگر ہاتھ پاؤں نہ مارتے۔ تو آخر کیا کرتے۔ جان بھی تو کوئی ایسی سستی چیز نہیں ہے۔ وہ ناچار محمد خاں کے مورچہ پر متصرف ہونے پر غور کرنے لگے۔ کیونکہ بالا حصار سے مدد پہنچنے میں یہی مورچہ مانع تھا لیکن جب اسٹورتھا انجنیئر نے ان کو یہ حقیقت بتائی کہ اب انگریزی فوج میں حملہ کرنے کی سکت نہیں رہی۔ تو اس تجویز کو ترک کر دیا۔ اور قریہ بیچارہ پر متصرف ہونے کے لئے میجر شلٹوین کی زیر قیادت کچھ فوج روانہ کی گئی لیکن افغانی لشکر نے اس قبل ہی اس کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ چنانچہ افغانوں نے انگریزی فوج کو ناک چنے چبوا دیئے۔ اس شدید معرکہ آرائی میں بہت سے انگریز ہلاک ہوے اور باقی جو بچے وہ شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ اور واپس کابل میں چلے گئے۔

انگریز پنجۂ اجل میں

امیر دوست محمد خان کا بیٹا محمد اکبر خان بامیانی میں تھا۔ وہ ۲۲ شعبان کو وہاں سے کابل آیا۔ اور جملہ افغان قبیلوں کے پراگندہ شیرازے کو متحد کر لیا۔ اسی دن انگریز قلعہ پر متصرف ہونے کی تدابیر پر عمل پیرا ہونے کے متعلق سوچ رہے تھے۔ چنانچہ وزیر مختار شلٹان نے حملہ آوری کا حکم دیا۔ اور خود بھی میجر شنلٹوین اور میجر کارنش کی معیت میں فوج لے کر روانہ ہوا۔ اور ایک

بلند جگہ پر جا کر رک گیا۔ انگریزی فوج صرف ایک توپ رکھتی تھی۔ اور قلعے میں صرف چالیس آدمی تھے۔ شلٹان نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حملہ آور ہونے کا آرڈر دیا۔ چنانچہ وہ دونوں ایک نامعلوم راستے پر جادہ پیما ہوئے ناگہاں افغان باز کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اور ان کی ایک جماعت ہلاک ہوگئی میجر سٹون مجروح ہوا۔ جب شلٹان نے یہ مصیبت دیکھی۔ تو اُس نے میجر کارش اور سومرز دوروں کو ایک جائے پناہ بنانے کا حکم دیا۔ ابھی وہ اس سے فارغ نہ ہوئے تھے۔ کہ انہیں دس ہزار اہل کابل ایک پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دکھائی دیئے جنگی گولیاں بخوبی انگریزوں کے سینے چھلنی کر سکتی تھیں۔ کولونیل نے موقع کی نزاکت کو ملحوظ رکھ کر اپنی فوجوں کو حکم دیا۔ کہ فوج قلعہ کی شکل میں مرتب ہو۔ اور اس کے عقب میں سوار اپنی صفیں ترتیب دیں۔ اور اسی طرح افغانوں پر حملہ آور ہوں لیکن انہوں نے پہلے ہی انگریزی میمنہ پر حملہ کر دیا۔ اور لفٹیننٹ واٹر کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ پھر افغان تین طرف سے حملہ آور ہوئے۔ اور انگریزوں کو محصور کر لیں چنانچہ شدید جنگ برپا ہوئی اور پہلے ہی حملہ میں انگریز پاؤں سر پر رکھ کر بھاگے۔ اور اپنی توپ اور ذخیرہ مال غنیمت میں دے گئے چونکہ افغانوں کا بھی ایک سردار اس حملہ میں زخمی ہوا تھا۔ اس لئے پھر انہوں نے شہر کا رُخ کیا انگریزوں نے اس وقفہ کو مصلحت آمیز پایا۔ اور پہاڑ کو قبضہ میں کر لیا توپ لے لی۔ اور افغانوں پر گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ یہ صورت حالات دیکھی۔ تو

افغانی پیچھے ہٹ گئے۔ اور پھر غضب ناک شیروں کی طرح انگریزوں پر حملہ آور ہوئے جس سے اُن کی جمعیت پراگندہ ہوگئی۔ اور منتشر ہو کر ایک ایک کر کے فرار ہو گئے۔ اُن کے ہیڈ کوارٹر تک ان کا تعاقب کیا گیا۔ اور بہت سے انگریز بھاگتے ہوئے افغانوں کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ آخر جائے پناہ (ہیڈ کوارٹر) کے گرد استحکامات نہ ہوتے۔ تو افغان انہیں کہیں بھی چین نہ لینے دیتے۔

"انگریزوں کی درماندگی"

جب افغان انگریزوں کے خلاف انتہائی طور پر غضب ناک ہو گئے۔ اور انگریزوں کی سختیاں بڑھ گئیں۔ تو انھوں نے ناچار صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ انگریزی وزیر مختار نے ان کے پاس قاصد روانہ کیا۔ تاکہ وہ نرمی سے صلح کی گفتگو طے کرے۔ جب قاصد افغانوں کے پاس گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم صرف ایک شرط کے تحت تم سے صلح کر سکتے ہیں کہ تمہارا ایک فرد بھی ہمارے مقدس وطن میں باقی نہ رہے۔ اس کے علاوہ اور مطالبات بھی پیش کئے گئے جنہیں انگریز حاکم نے قبول نہ کیا۔ اور اتفاقی نمائندوں کی مجلس سے اندھناک لہجہ میں یہ کہتے ہوئے اٹھا کہ "قیامت کا دن قریب ہے۔ جب ہم سب جمع ہو جائیں گے۔ اور حق و باطل اور ظالم و مظلوم میں تفریق کر دی جائے گی۔"

نہ جانے انگریزی حاکم کو یہ کہتے ہوئے کیوں ندامت محسوس نہ ہوئی

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہم دوسروں کو محکوم بنانے کے ایک ایسے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جو کسی شرع میں جائز نہیں مجلس صلح کی ناکامی کے بعد کئی مرتبہ معرکہ آرائی ہوئی۔ مگر ہر بار انگریزوں کو ناکامی نصیب ہوئی اور افغانوں نے قلعہ محمد شریف کو تسخیر کر لیا۔ اب تو انگریزوں کی پریشانیوں کی انتہا ہو گئی اور انہیں بغیر صلح کے اور کوئی علاج نہ سوجھا۔ چنانچہ افغانی اور انگریزی معاہدہ ترتیب ہوا جس پر وزیر مختار، شلٹان۔ ڈنیکسل اور جمبیر نے دستخط کئے۔

"افغانوں سے ذلّت آمیز معاہدہ"

معاہدہ طے ہو جانے کے بعد انگریزی وزیر، کپتان لارنس، ترڈر۔ اور مکینسری کو لئے ہوئے ایک مختصر فوج کے ساتھ سیاہ سنگ پہاڑ کی طرف نکلا۔ اور ایک مقام پر ٹھہر کر ایک جلسہ منعقد کیا جس میں انگریزی وزیر نے کھڑے ہو کر اس انداز میں تقریر کی گویا وزیر مذکور افغانوں کا ہمدرد ہے اُس نے کہا ہم نے امیر دوست محمد خاں کی انتہائی تکریم کی۔ اس کے بعد اس نے صلحنامہ کا مسودہ نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

۱۔ انگریز تمام افغانی ممالک کو خالی کرنے کے لئے کمربستہ ہیں بشرطیکہ افغان اپنا ایک سرکردہ سردار ہمارے پاس بطور ضمانت بھیجدیں۔ ہم جسوقت ہندوستان کی حدود میں داخل ہوں۔ اُسے واپس کر دیں۔ کیونکہ راستے میں ہمیں افغانوں

سے ڈر لگتا ہے۔ ہم ہندوستان پہنچتے ہی امیر دوست محمد خان کو افغانستان بھیج دیں گے۔

۲۔ افغان شاہ شجاع کے لئے ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کریں۔ شاہ شجاع کی جہاں خواہش ہو۔ وہاں رہے۔

۳۔ انگریزی فوجیں افغانوں کی اجازت اور رضامندی کے بغیر حدودِ افغانستان میں کبھی داخل نہ ہوں گی۔

جب یہ مسودہ صلحنامہ غازی محمد اکبر خاں کو پیش کیا گیا۔ تو اُس نے کہا کہ انگریز تین دنوں کے اندر اندر افغانستان کے جملہ مقامات کو خالی کر دیں۔ ان کو سامان رسد اور ضروریات زندگی مہیا کر دی جائیں گی۔ چنانچہ انھوں نے سرعت سے اپنی فوجیں بالاحصار سے نکالنی شروع کیں اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ قلعے خالی کرنا شروع کئے۔

۱۰ رمضان کو افغانستان میں برفباری شروع ہوئی جس سے انگریزوں کی مصائب دو چند ہو گئیں۔ اس لئے انھوں نے غزنی کو خالی کرنے اور اپنی فوجوں کو واپس بلا لینے کے سوا اور کوئی صورت نہ دیکھی۔

۲۰ رمضان کو انگریزوں نے افغانوں کے ساتھ ایک مجلس مشاورت کا انعقاد کیا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ انگریز اپنے سامان حرب کا آدھا حصہ افغانوں کے حوالے کر دیں اب تو انگریزوں کے سب کس بل ہی نکل چکے تھے۔ مجبوراً

انہیں ایسا ہی کرنا پڑا۔ اور اپنا نصف اسلحہ افغانوں کے سپرد کر دیا۔ بلکہ کپتان کیلی اور کپتان ابری کو بھی اپنے وعدوں کے ایفاء کے پیش نظر بطور ضمانت اُن کے حوالہ کر دیا۔

۲۰ رمضان کو مسٹر سکنیر انگریزی وزیر کی خدمت میں حاضر ہوا مسٹر اسکنیر محمد اکبر خان کا قیدی تھا۔ اُس نے انگریزی وزیر سے کہا۔ کہ محمد اکبر خان نے ایک نہایت سخت استدعا کی ہے۔ اتنا کہا اور اس کی زبان رُک گئی۔ کچھ توقف کے بعد بولا "کہتا ہے کہ تم اور فوج کے با اختیار افسر اس کے پاس جائیں اور ایک ہی نشست میں جملہ ضروری معاملات طے ہو جائیں" جب اس نے سنا۔ تو اُسے سوا اطاعت کے اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ لیکن اُسے افغانوں کی طرف سے ڈر تھا۔ کہ مبادا وہ دھوکہ دیں۔ اس لئے اس نے احتیاطاً اپنے استحکامات کے باہر اپنی فوجیں تیار کر کے کھڑی کر دیں۔ اور خود اپنے فوجی افسروں کی معیت میں ایک بلند ٹیلے پر جا کر محمد اکبر خان غازی کی راہ دیکھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد محمد اکبر خاں افغانی سرداروں کے ساتھ آیا۔ اور انگریز وزیر کے ساتھ مصروف گفتگو ہو گیا۔ اور اس کے سردار انگریزی افسروں سے مبادلہ افکار میں محو ہو گئے۔ اور وقفہ وقفہ کے بعد افغانی سوار ایک ایک دو دو کی تعداد میں جمع ہونے لگے۔ اچانک محمد اکبر خان نے اپنی قوم کو صدا دی۔ اور حکم دیا "ہر ایک اپنے مخاطب کو زیر حراست کر لے"

انگریزی وزیر کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ وہ روتا چلاتا تھا۔ اُسے زمین پر گھسیٹتے ہوئے شہر میں لایا گیا۔ اور سر کاٹ کر کابل کے گلی کوچوں میں پھرایا گیا۔ غدار کو نہایت عبرتناک طریق پر سرِ راہ پھانسی دے دیا گیا۔ لیکن لفٹیننٹ ایری کو جس نے اس واقعہ کی خبر دی تھی۔ محی الدین افغانی نے گرفتار کیا۔ اور محی الدین نے اُسے محمد اکبر خان کے سامنے پیش کیا۔ اس نے اس کی طرف نہایت غضب آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کڑک کر کہا "اے انگریز! کیا تمہیں پتے جو ہمارے وطن کو غلام بنانے آئے تھے، کیا تمہیں ہوسِ جوع الارضی کے مرض میں مبتلا ہو کر ہمارے ملک کو حریصانہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ تمہیں اپنی قضا یہاں لے آئی تھی۔ تمہیں اپنے کئے کی سزا مل چکی ہے یا نہیں! لیکن میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ اور تمہارے قتل میں کوئی فائدہ نہیں دیکھتا"۔ یہ کہا اور اُسے کی نگہبانی میں دے دیا۔

دوبارہ ذلت آمیز صلح

پھر پینجر یا نسجر قائم تمام وزیر نے دوبارہ صلح کی استدعا کی۔ افغانوں نے چند شرائطِ صلح کی بنیاد قرار دیں۔ اول یہ کہ اپنی تمام توپیں ہمارے سپرد کردو اور صرف چھ اپنے پاس رکھو۔ دوم یہ کہ تمہارے پاس جتنا روپیہ ہے وہ سب ہمارے حوالہ کر دو۔ سوم یہ کہ اپنے سب بڑے بڑے افسروں کو

ان کی بیویوں اور اولاد سمیت ہمارے پاس رہن رکھو۔ چہارم یہ کہ جس طرح مقتول وزیر نے ہم سے چودہ لاکھ روپیہ لیا تھا۔ اسی طرح تم ہمارا چودہ لاکھ روپیہ دو۔"

جب انگریزوں نے یہ ذلت آمیز شرائط سنیں۔ تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ یہاں تو ان کی وہ لومڑی کی چالیں کارگر نہ ہو سکتی تھیں جن کے وہ فطرتاً عادی ہیں۔ بلکہ یہاں تو توپوں، تلواروں اور بندوقوں سے مقابلہ تھا۔ یہاں تو افغانی سیاست سے سامنا تھا۔ نہ کہ برطانوی حیلہ جو سیاست سے۔ انگریز وزیر کو طوعاً وکرہاً یہ شرائط ماننا ہی پڑیں۔ اگرچہ یہ شرائط بہت ہتک آمیز تھیں کہ آزاد قوم کا کوئی گیا گذرا شخص بھی انہیں گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جنرل الفنسٹون ضرور غیرت سے یوں تمتما اٹھا جیسے شیر کے سامنے بلی پھول جاتی ہے مگر اس کی اس حرکت سے اور کسی انگریز افسر کے خون میں حرارت پیدا نہ ہوئی اور تمام افسران فوج نے بالاتفاق آر اکپتان ڈرمند۔ کپتان رانس، کپتان واربٹن اور کپتان کو ان کی اولاد اور بیویوں سمیت افغان کے پاس رہن رکھنے کے لئے سپرد کر دیا پھر مجروحین کو ایک افغان کے گھر میں رکھ کر ان کی مرہم پٹی کے لئے ایک ڈاکٹر مقرر کیا گیا۔ اور پانچ شاہی توپیں افغانوں کے حوالے کر دی گئیں۔

انگریزی لشکر کی مراجعت

چنانچہ اس معاہدہ کے بعد انگریزی فوجوں کی مراجعت عمل میں لائی گئی۔

اور ۹ توپیں اور بارہ ہزار اونٹ لے کر کوچ کیا جن پر مرد عورتیں اور بچے سوار تھے اور ان کے پیچھے پیدل فوج روانہ ہو رہی تھی جب یہ لشکر ایک دریا پر پہنچا۔ تو اس پر صرف ایک پل نظر آیا۔ اور دریا کے کنارے کیچڑ سے اٹے ہوئے تھے۔ یہاں بڑی آفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے موت کا لقمہ ہوئے اور باقی اشخاص بڑی دقت سے پل کو عبور کر سکے۔ پھر یہ لشکر بکراں تک پہنچا۔ لیکن افغان اُن کے درپے تھے۔ اور برابر لوٹ مار کرتے جاتے تھے۔ تا آنکہ ایک اور توپ ان سے چھین لی گئی جسے محمد اکبر خاں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اُس نے انگریزوں سے اپنے چھ مزید سرداروں کو سپرد کر دینے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے اسے بھی منظور کیا۔ اور وعدہ کیا۔ کہ اب وہ کسی افغانی کو بندوق کا نشانہ نہیں بنائیں گے بشرطیکہ وہ لوٹ مار سے باز آئیں۔

۸ شوال کو افغانوں نے گولہ باری سے پھر انہیں جاں بلب کرنا شروع کر دیا اور انھوں نے مدافعت کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ لیکن محمد اکبر خاں نے پھر اُن سے ایک جماعت حوالہ کر دینے کی شرط لگا دی۔ انھوں نے اسے بھی منظور کر لیا۔ اور اس راستے پر امن و امان کے ساتھ جا پہنچے۔ جو خورد کابل کہلاتا ہے۔

یہ راستہ چند میل ایک طویل گھاٹی کی شکل پر واقع ہے۔ اور جس راستے کو عبور کیا جاتا ہے۔ وہ ایک پہاڑ کے دامن میں ہے۔ جس کو دوسری طرف سے ایک دریا محیط کئے ہوئے ہے۔ جو اسی پہاڑ سے ساٹھ گز کی بلندی سے گرتا ہے۔

اور دوسری طرف پہاڑ کی چوٹی ہے۔ یہ تنگ و تاریک راستہ انگریزی فوج کے ساتھ پُل صراط سے کچھ کم ثابت نہ ہوا۔ جب وہ اس مقام پر اتری۔ تو افغانوں نے دھاوا بول کر اُن سے پھر ایک توپ چھین لی۔ اور خورد کابل تک پہنچنے پر معلوم ہوا۔ کہ راہ میں اُن کے تین ہزار افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہیں۔ اور تمام ذخیرہ لوٹ مار کی نذر ہو گیا ہے۔

۹ شوال کو انہیں اطلاع موصول ہوئی۔ کہ عورتیں بچے اور زخمی انگریز محمد اکبر خان کی تحویل میں چلے گئے ہیں جس سے انہیں ایک گونہ اطمینان حاصل ہو گیا

دسویں شوال ۱۲۵۷ھ کو ناگہاں افغان ان پر ٹوٹ پڑے۔ تمام راستے مسدود کر دیئے۔ اور تلوار سے اُن کے گلے کاٹنا شروع کر دیئے۔ انگریزوں میں حرکت کی سکت باقی نہ رہی تھی۔ اور ہندوستانی سپاہی ہتھیار ڈال رہے تھے۔ اور بھاگنا چاہتے تھے۔ مگر موت کے بے رحم جبڑوں سے خلاصی کہاں ممکن تھی؟ چنانچہ یہ قبر جبار تک نہیں پہنچے تھے۔ کہ افغانوں نے اُن کا قلع قمع کر کے رکھ دیا۔ اور ان کا تمام مال و اسباب اور اسلحہ لوٹ لیا گیا۔ ہفت کتل کا گھاٹ مردوں کی نعشوں سے پٹ گیا۔ اس سفر میں ان کے مزید بارہ ہزار آدمی ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ جو ایک باقاعدہ فوج کے افراد تھے۔ اور جو بے قاعدہ فوجوں کے آدمی ہلاک کئے گئے ان کا شمار کرنا ہی محال ہے۔ کتر سنگ کے مقام پر اُن کی ایک اور

جماعت زیرِ حراست کر لی گئی۔ اور اُن کے پاس جو ایک توپ باقی بچی تھی۔ وہ بھی چھین لی گئی۔

گیارہ شوال کو انگریزوں نے کٹ سنگ سے چکدلی کی طرف کوچ کیا۔ اور عصر کے قریب وہاں پہنچے ایک ٹیلے پر مقام کیا۔ اور اُس کے گرد اپنی فوجیں ترتیب دے دیں۔ تاکہ افغانوں پر اپنی بہادری کا سکّہ بٹھائیں اور انہیں مرعوب کریں افغانی اس حرکت سے نہایت بر افروختہ ہوئے اور پہاڑ کی فلک بوس چوٹیوں پر چڑھ کر انہیں اپنی توپوں اور بندوقوں کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ محمد اکبر خاں نے ایکٹنز کو بلایا۔ اور اُس سے کہا۔ کہ شلٹان اور جانسن کو بھی بطور ضمانت ہمارے سپرد کردو۔ آپس میں یہ گفتگو جاری تھی۔ کہ کہیں سے ایک گولی سنساتی ہوئی اسکینیر کی زندگی کا خاتمہ کر گئی۔ اور اُس کی نعش رقصِ بسمل کا تماشا دکھلانے لگی۔

جب انگریزوں نے یہ نازک صورتِ حالات دیکھی۔ تو انہوں نے فوراً جلال آباد کا عزم کیا۔ راہ میں افغانی مجاہدین اُن پر ٹوٹ پڑے اور انگریز مقتولین کی نعشوں سے پہاڑیاں اٹ گئیں۔ اور ان کے خون سے زمین لالہ زار ہو گئی۔ اس واقعہ میں جسقدر انگریز کام آئے۔ اُن کی تعداد خورد کابل کے مقتولین سے دگنا تھی۔

یوں تو ہر صبح انگریزوں کے لئے شامِ ماتم سے کچھ کم نہ تھی۔ مگر اس صبح نے تو اُن کی ستم نصیب زندگی کی شام ہی کر دی۔ چنانچہ ۱۲ شوال کو صرف ڈاکٹر برٹیڈول زندہ بچا۔ جو اپنی ہوس پرست قوم کو یہ ماجرا سنانے کیلئے جلال آباد

پہنچا۔

افغانوں کا طرزِ عمل

افغانوں نے انگریزوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا تھا ایک جوع الارضی کے مرض کی شکار قوم کے ساتھ اس سے بھی بُرا ہونا چاہیئے تھا۔ جو دوسری اقوام کی آزادی پر ڈاکہ ڈالنے میں بُری طرح بدنام ہو چکی ہے۔ افغان بخوبی جانتے تھے۔ کہ ایسی قوم کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہیئے۔ جو لومڑی کے حیلے اور نبادر کی چالیں چل کر شجاعت پیشہ قوموں کو پابۂ زنجیر کرتی ہے۔ اسی کے خون سے ارضِ مقدس کو پاک کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے حیلوں کی نجاست اس کا لہو ہی دُور کر سکتا ہے۔ چنانچہ افغانوں نے اُن کا خون بہایا۔ اور اپنے ملک کی آزاد پہاڑیوں کو لالہ زار کر دیا۔ اور اُن کے مقدس شہروں کا ہر گلی کوچہ اُن کی لاشوں سے بھر گیا۔ انہیں بد عہدی اور وعدہ خلافیوں کی سزا دل کھول کر دی۔

یہ انجام کابل کی فوج کا تھا۔ مگر غزنی کی انگریزی فوج کا حشر اس سے بھی زیادہ عبرتناک ہوا۔ یعنی بعض بھوک پیاس سے مر گئے۔ بعض افغانوں کی خون آشام تلواروں کی نذر ہو گئے اور بعض قید کی مصائب برداشت کرتے ہوئے ہلاک ہو گئے جو زندہ بچے وہ مہینوں قید رہے۔ پھر کابل بھیج دیئے گئے۔ محمد اکبر خاں اُن کے ساتھ فراخدلی سے پیش آیا وہ بعد میں آزاد کر دیئے گئے۔ چنانچہ یہ لوگ میجر تنجیر

کے ساتھ جانے - اور باقی انگریز افسروں کو بھی ان کی تلواریں اور کچھ روپیہ مرحمت کر کے بھیج دیا - اور اس کے پاس جو بچے اور عورتیں تھیں - وہ بھی اُن کے ہمراہ روانہ کر دی گئیں -

ان واقعات کے رونما ہونے کے بعد ناگہاں شجاع الدولہ خان بارکزئی نے شاہ شجاع کا سر تن سے جدا کر دیا جس کے باعث افغانوں کی کئی پارٹیاں بن گئیں - ملک فرقوں اور جماعتوں میں بٹ گیا - اور اس کا ملی شیرازہ فوراً درہم برہم ہو گیا -

اس دورِ پُر آشوب میں محمد اکبر خاں نے شہر کے باہر کچھ فوج جمع کی جس کے ساتھ شاہ شجاع کا لڑکا فتح جنگ بھی شریک ہو گیا - اسی زمانے میں انگریزوں نے افغانوں کے تفرقے سے فائدہ اٹھایا - اور ان کی جو فوج قندھار میں اقامت گزیں تھی - وہ اپنے ساتھ کمک ملا کر آ گئی - محمد اکبر خان نے اس کے ساتھ کئی مرتبہ معرکہ آرائی کی لیکن آخر میں صلح ہو گئی - اور انگریزی قیدی چھوڑ دیئے گئے اور جنرل نے اس سے وعدہ کیا - کہ وہ امیر دوست محمد اور اس کے خاندان کو افغانستان روانہ کرے گا -

انگریزی فوجوں نے افغانوں کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک میں ظلم و ستم کی انتہا کر دی - چہار چتہ افغانستان کا ایک مشہور بازار ہے اور اسے اورنگ زیب عالمگیر نے تعمیر کیا تھا - اس کی عمارات نہایت حسین اور

نگاریں بھتیں۔ اسی بازار میں افغانوں نے انگریزی وزیر سر ولیم کی نعش لٹکائی تھی۔ انگریزوں نے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔

استالب کے قصبہ پر بھی قبضہ کر کے وہاں کے مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو قتل کر دیا۔ اور زخمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت محمد اکبر خان اور اہل کابل پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔

جب انگریزوں نے اپنے خیال میں افغانوں سے انتقام لے لیا۔ تو جلدی سے ہندوستان لوٹے تاکہ افغانوں کی طرف سے کوئی اور آفت نازل نہ ہو جائے۔

شاہ شجاع کی ہوس ملک گیری نے اسے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اور انگریزوں کو ان کے جوع الارضی کے مرض نے موت کی اذیت انگیز جانکنی کا مزا چکھایا۔ لیکن اس جنگ نے دو قوموں کی ذہنیت کو آشکارا کر دیا۔ اور جو قوم اپنے آپ کو مہذب ثابت کرتے ہوئے نہیں تھکتی۔ اس کی اخلاقی پستی کو ظاہر کر دیا یعنی افغانوں نے تو انگریز عورتوں اور بچوں کو نہایت حفاظت سے رکھا۔ اور اسلام کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرض انسانیت کو کما حقہ ادا کر کے دکھا دیا۔ مگر جب انگریزوں نے قصبہ استالب پر قبضہ کیا۔ تو افغان عورتوں اور بچوں کو نہایت بیہمانہ طور پر موت کے گھاٹ اتارا۔ اور اس کے باوجود یہ قوم اپنی تہذیب کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہوئے ندامت کا ذرہ بھر اظہار نہیں کرتی۔

افغان اس فطری تہذیب کے علمبردار ہیں۔ جو پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیوں پر رقص فرما ہے۔ اور صُبح جب اپنی تجلیاں بکھیرتی ہے۔ تو افغانوں کو زندگی کا پیغام دیتی ہے۔ انگریز فوجوں نے قصبہ استالب میں جو شیطانی حرکات کیں وہ رہتی دنیا تک انگریزی تمدّن کے بے نور ماتھے پر کلنگ کے ٹیکے کی صورت میں عبرت کا درس دیتی رہیں گی۔

امیر دوست محمّد خان کی مراجعت

اس کے بعد انگریزوں نے امیر دوست محمّد خان کو آزاد کر دیا۔ اور واپس کابل جا کر اُس نے جلال آباد اور کابل پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے نواحیات پر بھی متصرّف ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ امیر دوست محمّد خان کا بھائی کنہدل خان اپنے بھائیوں کے ہمراہ شاہ ایران کے پاس پناہ گزیں ہو گیا تھا جب اُس نے شاہ کی امداد سے ایک فوج ترتیب دی۔ اور قندھار کی سمت کوچ کیا۔ قبیلہ سدوزئی نے اس کی مزاحمت کی اور بے حقیقت سے معرکوں کے بعد وہ قندھار پر قابض ہو گیا۔ اور اس کے نواح پر بھی مسلّط ہو گیا۔ اب امیر دوست محمّد خان نے جب بھائی کی یہ حرکات دیکھیں۔ تو اس سے نبرد آزما ہوا۔ اور غالب آیا۔ اُس کے بعد امیر نے ہرات کی طرف ایک فوج روانہ کی۔ جو بدقسمتی سے ناکام لوٹ آئی۔

پشاور پر انگریزی قبضہ

جب رنجیت سنگھ نے افغانوں کی باہمی تفرقہ آرائی دیکھی تو وہ ایک زبردست فوج لے کر پشاور پر چڑھ دوڑا چنانچہ امیر دوست خان نے اس کا منہ توڑ مقابلہ کیا۔ جب انگریزی نے یہ حقیقت حال دیکھی تو انہیں فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ مبادا افغانی پشاور پر قابض ہو کر ہندوستان میں ان کی حکومت کو بھی آنکھیں دکھائیں افغانوں اور رنجیت سنگھ کی آپس میں صلح کرادی۔ اور یہ قرار پایا کہ پشاور سکھوں کے قبضہ میں رہے لیکن یہ ان کی ایک لومڑی کی چال تھی۔ اور وہ پشاور پر خود قابض ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس عرصہ کے بعد پشاور پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ کیونکہ رنجیت سنگھ کی حکومت کمزور تھی۔

کہندل خان کا انتقال

ان واقعات کے بعد کہندل خان کی وفات واقع ہوئی۔ اور افغانستان میں از سر نو فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے بھائیوں اور بیٹوں میں تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے جھگڑے لڑائیاں واقع ہونا شروع ہوئیں چنانچہ افغانستان کے مطلع پر بدامنی کی گھنگھور بدلیاں چھا گئیں اور خونریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اہل افغانستان کے اتفاق آرا

کے ساتھ امیر دوست محمد خان کو اپنا حاکم مقرر کر دیا۔ چنانچہ آپ نے حکومت کے حمبہ دعویداروں کو ایک ماہوار وظیفہ دینا منظور کیا جس سے ان لوگوں کی حرص ملک گیری ٹھنڈی پڑ گئی۔ اور افغانی حکومت اُن کی فتنہ انگیزی سے محفوظ ہوگئی۔ چنانچہ اس طرح افغانستان کا کچھ حصہ اُن کے زیر نگین ہوگیا۔

اب امیر نے اپنے بیٹے محمد اکرم خان کو کچھ فوج دے کر بلخ کی فتح کے لیے بھیجا۔ بلخ انگریزوں کی افغانستان پر حملہ آوری کے زمانے میں باغی ہوگیا تھا۔ اور وہاں کے لوگوں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ امیر کے بیٹے نے انہیں پھر آمادہ اطاعت کر لیا۔ اب سوا ہرات کے باقی تمام علاقوں پر امیر کی عملداری تھی۔ ہرات کامران کے قبضہ میں تھا۔ کامران شیر سے زیادہ دلیر واقع ہوا۔ کیونکہ اُس نے ۲۰ مہینے تک ایران کی حکومت کو تنگ کیا اور کمال پامردی سے ان کا مقابلہ کیا۔ ہر چند کہ اس کے پاس خوراک کی قلت تھی۔ سامان حرب بھی کم تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ نشہ آور چیزوں کا استعمال کرنے لگا اور ہوس پرستی نے اُس کے جوہروں کو گرد آلود کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک روز شہر کے باہر ایک گاؤں میں اُس کے وزیر نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ یہ وزیر جس کا نام یار محمد تھا۔ کامران اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا۔ جو چاہتا اس سے کراتا۔ اس کی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اور اس کے باپ نے جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی۔ ان کی عاقبت نااندیشی کے طفیل تنزل پذیر ہوگئی۔

کامران کا گلا گھونٹنے کے بعد اس کا وزیر یار محمد خاں حاکم ہرات ہوا۔ اُس نے افغانی اُمرا سے بچنے کے لیئے شاہ ایران سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیئے اس کی موت کے بعد اُس کا بیٹا سید محمد خاں گدی نشین ہوا۔ لیکن یہ نہایت کم عقل سنگدل اور نااہل ثابت ہوا۔ اس لئے رعایا نے بغاوت برپا کی۔ اور شہزادہ یوسف سدوزئی کو مدعو کیا۔ اُس نے شاہ ایران سے امداد کی استدعا کی جو منظور کر لی گئی۔ اور وہ شاہ کی فوجوں کی اعانت سے شہر میں داخل ہو گیا۔ اور سید محمد خان کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ شہزادہ یوسف سدوزئی پہلے مشہد میں تھا۔

ہرات پر ایرانی تسلّط

شہزادہ کی حکومت فتنے فساد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ صوبہ میں نہایت بدامنی پھیل گئی۔ اس لیئے شاہ ایران نے ہرات پر قابض ہونے کا یہ بہترین موقع تصوّر کیا۔ چنانچہ اُس نے ایک لشکر جرار بھیجکر ہرات کو معمولی سی معرکہ آرائی کے بعد اپنے قبضہ میں کر لیا۔ جب انگریزوں نے یہ صورتِ حالات دیکھی۔ تو وہ بہت برافروختہ ہوئے۔ اور انھوں نے سوچا۔ کہ ہرات کا ایرانیوں کے قبضہ میں آنا ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خطرے کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے جہاز خلیج فارس میں بھیجے۔ اور بندر بوشہر، جزیرہ ہر

خارق اور مجمرہ کو لا پر متصرف ہو گئے۔ انہی دنوں ہندوستان کی مشہور لغاوت ۱۸۵۷ء بر پا ہو گئی تھی۔ انگریزوں نے ان مقامات پر قبضہ کرنے کو بغاوت کے مسترد کرنے کا بہانہ بنایا۔ کیونکہ ہندوستان میں یہ خبر مشہور ہو گئی تھی۔ کہ ایرانی فوجیں افغانستان کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اسی واقعہ کو ایک سال گذرا تھا۔ کہ انگریزوں اور ایرانیوں میں صلح واقعہ ہوئی تھیں کی رُو سے شاہ نے اپنی فوجیں ہرات سے ہٹالیں۔ مگر اپنے عم زاد بیٹے اور داماد سلطان احمدؐ خان کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے خطبہ اور سکہ اپنے نام کا جاری رکھا۔

ہرات پر افغانوں کا حملہ

اس بیش بندی کے باوجود انگریزوں کے خوف میں کچھ کمی واقع نہ ہوئی اور انہوں نے امیر دوست محمدؐ خان کو اکسایا۔ کہ وہ ہرات پر فوج کشی کرے اس کے معاوضہ میں اسے ایک خطیر رقم سالانہ وظیفہ کے طور پر مرحمت کی جائے گی۔ جو قلعوں کی مرمت وغیرہ کے لئے کار آمد ہوگی۔ کیونکہ اس کی حکومت روس اور ہندوستان کے درمیان ایک مضبوط قلعہ ثابت ہوگی۔ اور انگریزوں کی حفاظت ہوگی۔

ہرات کی فتح

امیر نے انگریزوں کے ورغلانے پر ہرات پر لشکر کشی کی کئی روز تک

محاصرہ جاری رہا۔ فریقین بے جگری سے ایک دوسرے پر حملے کرتے تھے۔ آخر محاصرہ کے دوران ہی میں سلطان احمد خان حاکم ہرات نے قلعہ کے اندر وفات پائی۔ اور اس کے چند روز بعد امیر دوست محمد خان بھی راہی ملک عدم ہوا۔ افغانی سرداروں نے قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور متعدد حملوں کے بعد ہرات پر متصرف ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۲۸۵ھ کا ہے۔

امیر ایک ہوشیار، لائق اور عقلمند شخص تھا۔ اُسے ظلم سے طبعاً نفرت تھی۔ چنانچہ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے بھائیوں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ ورنہ اُن میں سے کئی اس سے عمر میں بڑے تھے۔ اس نے اپنے بھائیوں کو حتےٰ الامکان خوش رکھا۔

اس کا جانشین

چونکہ اس کا بہادر لڑکا محمد اکبر خان غازی اُس کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا اس لئے اس نے اس کے حقیقی بھائی شیر علی خان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ محمد اکبر خان غازی نے مادر افغانستان پر بڑے احسانات کئے تھے کیونکہ اُس نے اُسوقت افغانستان کی مدد کی جب وہ غیر ملکی حملہ آوروں کا نشانہ ستم ہو رہا تھا۔ اُس نے انگریزوں کو ناک چنے چبوانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور انہیں طمع کشور کشائی کی پوری سزا دی۔ اس لئے اگر وہ بقید حیات

ہوتا۔ تو اس وقت اس کی بہت ضرورت تھی۔

"فتنہ وفساد"

امیر دوست محمد خان ہرات کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ کہ موت نے اُس کی اُمیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ اُس کی فوج پر اُس کے بیٹے چھائے ہوئے تھا۔ چنانچہ جب امیر دوست محمد خان نے شیر علی خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ تو اُس کے وزیر محمد رفیق نے جو ایک خائن وزیر تھا۔ اُسے مشورہ دیا۔ کہ جب تک تمہارے بھائی صوبوں پر خود مختارانہ حکمرانی کر رہے ہیں۔ اسوقت تک تمہاری سلطنت کی جڑیں مضبوط نہیں ہو سکتیں۔ اور اس صورت میں جبکہ فوج میں تم سے بڑے بھائی بھی ہیں۔ تمہارے لئے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ کسی طرح وزیر کے اس مشورہ کی اطلاع اس کے سب بھائیوں کو بھی ہو گئی۔ چنانچہ وہ راتوں رات پایۂ تخت سے بھاگ گئے اور اپنے اپنے صوبوں پر بدستور مسلّط ہو گئے۔

جب شیر علی خاں کو ان کے فرار ہونے کی خبر ہوئی۔ تو اُس نے ہرات کے شہر کو مستحکم کیا۔ اس کے فوجی انتظامات میں ترمیم و تنسیخ کی۔ اور اپنے بیٹے محمد یعقوب خاں کو اس کا حاکم مقرر کر کے بلخ کی راہ لی۔ اور اپنے بھائیوں کے اُن علاقوں میں کابل صلح و صفائی سے گزر گیا۔ جن پر وہ بھاگنے کے بعد قابض ہو گئے تھے۔ اور اپنی حرکات سے اس امر کا اظہار کیا۔ کہ مجھے کسی بھائی سے عناد

نہیں۔ اس سازش سے اس کا مقصد اپنے سب سے بڑے بھائی محمد افضل کو فریب سے قید کرنا تھا۔ کیونکہ سب سے زیادہ اس کی طرف سے اُسے خطرۂ عظیم درپیش تھا جب وہ حدود بلخ تک پہنچا۔ تو اُسے نہایت محبت بھرا خط لکھا۔ کہ آپ بڑے بھائی ہیں نشیب۔ و فراز زندگی سے آگاہ ہیں۔ آپ کی اطاعت سے سرتابی کرنا ایک گناہ کبیرہ کے مترادف ہے۔ میں آپ کے حکم کے خلاف ہرگز نہیں چلوں گا آپ کی نصائح کے خلاف کوئی کام بھی نہیں کرونگا۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اتفاق سے اصلاح ملک و قوم میں کوشاں ہوں۔"

جب شیر علی خاں نے یہ خط پڑھا۔ تو وہ اس کے دام تزویر میں پھنس کر رہ گیا۔ اور بہ نفس نفیس اس کے پاس چل کر آگیا۔ شیر علی خان نے جب شکار کو قابو میں دیکھا۔ تو اُسے گرفتار کر لیا۔ چنانچہ بلخ کا علاقہ آسانی سے اس کے قبضہ میں آگیا۔ جب محمد افضل خان کے بھائی کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو وہ بخارا کی طرف چل دیا۔ اس نے بلخ پر اپنے ایک بھائی فیض محمد خان کو متعین کیا۔ اور خود، کابل کی طرف روانہ ہوا۔

اس کے بعد شیر علی خان نے ایک لشکر ترتیب دیا۔ اور اپنے وزیر محمد رفیق کو اس کا قائد بنا کر کرم میں محمد اعظم خان سے جنگ آزما ہونے کے لئے روانہ کیا۔ محمد اعظم محمد افضل خان کا حقیقی بھائی تھا۔ اس نے مقابلہ کیا۔ مگر اُس نے پہلی جنگ ہی میں راہ فرار اختیار کر لی۔ اور ہندوستان کی طرف آ گیا۔

دونوں بھائیوں سے نپٹنے کے بعد اس نے کابل کی حکومت اپنے بیٹے ابراہیم خان کو سونپی جو ایک ضعیف الرائے شخص تھا۔ اور خود اپنے بھائی محمد امین سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے قندھار روانہ ہو گیا۔ محمد امین نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر اسی جنگ میں وہ اور اس کا بیٹا محمد علی مارے گئے۔"

شیر علی خان کی گوشہ گزینی

ان پے در پے واقعات کے بعد شیر علی خان اوہام و وساوس سے مغلوب ہو گیا۔ اور تفکرات وغیرہ کی شدت سے بے بس ہو کر اُس نے خلوت گزینی پسند کی اور تخت و تاج کے بکھیڑوں کو چھوڑ کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گیا۔

"عبدالرحمن خان"

جب شیر علی خاں نے اپنے بڑے بھائی محمد افضل کو گرفتار کر لیا تھا۔ تو عبدالرحمن بخارا چلا گیا تھا۔ چنانچہ اب اُسے شیر علی خان کی خلوت نشینی کا حال معلوم ہوا۔ تو اس نے بخارا سے بلخ کی سمت کوچ کیا۔ اور چند معرکوں کے بعد صوبۂ بلخ پر قبضہ کر لیا۔ محمد اعظم خاں جو ہندوستان میں پناہ گزین تھا۔ اور جس نے انگریزوں کی بدسلوکی کے باعث اُسے چھوڑ دیا تھا۔ اپنے بھائی سے آملا۔ اور دونوں بھائیوں نے ایک لشکرِ جرار مرتب کیا۔

اور کابل پر حملہ کر دیا شہر کے باہر شیر علی خان کے بیٹے محمد ابراہیم خان سے مقابلہ ہوا جس میں اُسے شکست ہوئی - اور وہ مارے خوف و بزدلی کے بھاگ نکلا - اب کابل میں امیر شیر علی خان کا وزیر محمد رفیق خان تھا۔ اُس نے شہر سے نکل کر نہایت فراخدلی سے دونوں بھائیوں کا استقبال کیا - چنانچہ اس کی فاتح فوجیں کابل میں داخل ہوئیں اس کے بعد ایک مختصر جمعیت کے ساتھ جلال آباد کو تسخیر کر لیا گیا۔

شیر علی خان کی خواب غفلت سے بیداری

جب شیر علی خان نے دیکھا کہ معاملہ بہت نازک صورت حالات اختیار کر رہا ہے - تو وہ کنج حزن و ملال سے باہر آیا - اور ایک لشکر تیار کیا تاکہ کابل پر حملہ کرے - مگر جب وہ غزنی سے گزرا - تو عبد الرحمن خان اور محمد اعظم سے مقابلہ ہو گیا جس میں اس کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ قندھار کی طرف بھاگ گیا۔ محمد اعظم خان غزنی میں داخل ہوا - اپنے بھائی محمد افضل خان کو قید سے رہا کیا - اور شاہی فوج سلام کر گئے لشکر اور سب امراء نے اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا -

اس فتح کے بعد سب کابل کی طرف روانہ ہوئے - تو محمد اعظم نے دیکھا کہ امیر شیر علی خاں کا وزیر جس نے اپنے آقا سے غداری کی تھی - کابل میں افغان امراء کے درمیان فتنہ و فساد کی خلیج وسیع کر رہا ہے - اور نفاق کی سلگتی ہوئی آنچ کو اپنے دامن سے ہوا دے رہا ہے - تو اُس نے اُسے فتنہ پردازی اور اپنے

آقا کے ساتھ غداری کرنے کے جرم میں پھانسی دیدی۔ اور یوں اس فتنے کا بیخ کنی ہوگیا۔

شیر علی خان کی حملہ آوری

اس کے بعد محمد اعظم نے ایک فوج مرتب کی۔ اور قندہار پر دھاوا بول دیا قلات غلزئی میں امیر شیر علی خان کی فوجوں سے سامنا ہوگیا۔ دونوں فوجیں بے جگری سے لڑیں۔ مگر امیر کی فوجوں پر بزدلی اور خوف مسلط تھا۔ کیونکہ پے در پے شکستوں نے انہیں ایسا بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ قندھار چھوڑ کر ہرات چلے جانے پر مجبور ہوگیا۔ اور اس واقعہ کے چند ماہ بعد اُس نے سواروں کی ایک فوج کے ساتھ بلخ کا عزم کیا۔ اور وہاں پہنچ کر ازبک اور افغان سواروں کا ایک جرار لشکر ترتیب دیا۔ کوہستان کے دشوار ترین راستوں سے کابل پر چڑھائی کی۔ فیض محمد خان بھی اس کی معیت میں موجود تھا۔ فریقین میں شدید معرکہ آرائی ہوئی اور اس جنگ میں فیض محمد خان ہلاک ہوگیا۔

فیض محمد خان کا حشر

فیض محمد ایک لالچی اور خود غرض انسان تھا۔ چنانچہ اس کی منافقت اس کی ہلاکت کا موجب ہوئی۔

شیر علی خاں کو اس معرکہ میں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور پہاڑ دل پر اپنی توپیں چھوڑ آیا۔ وہ وہاں سے بلخ اور بلخ سے ہرات کی سمت روانہ ہوا۔ کیونکہ اس کو اندیشہ تھا کہ عبدالرحمٰن خان اس کے تعاقب میں آئیں گے۔

محمد افضل خاں کا انتقال

جب یہ واقعہ رونما ہوا۔ اُس وقت کابل میں محمد افضل خان کا انتقال ہو گیا وہ ایک علم دوست شخص تھا۔ اور صاحبان علم کی قدر کرتا تھا۔ وہ ایک صلح کن شخص تھا۔ اسے ظلم و ستم سے قطعی نفرت تھی۔ اس کی وفات کے بعد عبدالرحمن تخت امارت پر متمکن ہوا۔ اور اپنے مرحوم بھائی کے لڑکے عبدالرحمٰن خان کو والی بلخ مقرر کر دیا۔ محمد امین خان کے لڑکے محمد اسمٰعیل خان کو اس کی مدد کے لئے ساتھ کر دیا۔ تاکہ افغانوں اور ازبکوں کے باہمی فسادات فرو ہو سکیں۔ اپنے ایک بیٹے محمد سرور خان کو حاکم قندھار اور دوسرے عبدالعزیز خان کو وہاں کی فوج کا سردار مقرر کیا جس کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ اُس نے اپنی نام آوری اور تمکنت کی بنا پر خود ہی ایک فوج جمع کی۔ اور ہرات پر دھاوا بول دیا۔ امیر شیر علی خان کے بیٹے محمد یعقوب خان کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی۔ محمد سرور خان اس کی ایک توپ پر قابض ہو گیا۔ اور توپچیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اس پر چڑھ بیٹھا۔ جب یعقوب خان نے دیکھا۔ کہ وہ اپنی فوج کی امداد سے محروم ہے۔ تو اس کی فوجوں

نے اس کے گرد حلقہ بنالیا۔ اور اسے گرفتار کرلیا جب فوجوں نے اپنے سردار کو زیرِ حراست پایا۔ تو وہ پراگندہ ہوگئیں۔ کیونکہ یہ دستورِ مشرق کے فوجی نظام کا ایک دیرینہ دستور ہے۔ کہ جب فوجوں کا سردار مارا جاتا ہے۔ یا دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوجاتا ہے۔ تو وہ ہتھیار ڈال دیتی ہیں۔

محمد یعقوب خان کا ہرات پر قابض ہونا

امیر شیر علی خان کا ڈر کا بہت دانا اور تجربہ کار ثابت ہوا۔ چنانچہ اُس نے محمد سرور خان کو گرفتار کرنے کے بعد ہرات پر حملہ کیا۔ اور اس پر قبضہ کرلیا کیونکہ وہاں اُس سے متصادم ہونے کے لئے کوئی موجود نہ تھا۔ اس فتح سے شیر علی خان کی کچھ ڈھارس بندھی۔ اور اس کے افسردہ دل میں عزم و ارادہ کی روح دوڑ نے لگی۔ چنانچہ وہ جمشیدی اور فیروز کوہی قبائل سے ایک فوج جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور اپنے بیٹے کی معیت میں کابل پر چڑھائی کی۔ وادی مکر میں محمد اعظم خان سے معرکہ آرائی ہوئی۔ محمد اعظم خان نے بلخ سے محمد اسمٰعیل خان کو بھی بلالیا چونکہ اعظم خان نے اس کے باپ کو قتل کردیا تھا۔ اس لئے محمد اسمٰعیل خان اس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اور اس کا سخت دشمن تھا۔ وہ بھی اپنی فوج لے کر شیر علی خان سے جاملا۔ چنانچہ مقام مکر میں محمد اعظم خان اور شیر علی خان کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ انہوں نے اپنے لشکروں کے گرد خندقیں

کھودیں۔ اور اپنے اپنے مورچے مضبوط کئے۔ گھمسان کا دن پڑا۔ اسی دوران میں محمد اسمٰعیل خان کی فوجوں نے کابل پر دھاوا بول دیا۔ اور اسے تسخیر کر لیا۔ چنانچہ شیر علی خان کی امارت قائم ہو گئی۔ محمد اسمٰعیل خان اپنے باپ کی جگہ قندھار کی حکومت کا متمنی تھا جب محمد اعظم نے اس واقعہ کو معلوم کیا۔ تو وہ بہت مایوس ہوا۔ اور اس کی فوجوں پر بھی بد دلی مسلط ہو گئی خصوصاً جب اُس نے دیکھا کہ جمشیدی قبیلہ کے سوار نہایت دلیری سے اس کے لشکر پر حملہ کر رہے ہیں تو اُس کی بد دلی دو چند ہو گئی۔ چنانچہ فوجوں پر سے اس کا اعتماد اُٹھ گیا۔ اس کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ بلخ کی طرف چلا گیا۔ جہاں اپنے بھتیجے عبدالرحمٰن کے پاس امداد کا خواہاں ہوا۔

شیر علی خان کا کابل میں داخلہ

ایک مدت کے بعد امیر شیر علی خان کابل شہر میں داخل ہوا۔ اہل شہر نے پُرجوش استقبال کیا۔ اور خوشی کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ ایک خلیق اور رحمدل انسان تھا جس نے اپنے حسن اخلاق سے لوگوں کے دل مٹھی میں کر رکھے تھے۔ اور رعایا اُسے محبوب سمجھتی تھی۔

چچا بھتیجے کی شیر علی خاں سے جنگ

محمد اعظم خاں اپنے بھتیجے عبدالرحمن خان کی امداد سے اوزبک اور افغانوں کا ایک لشکر مرتب کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ دونوں نے مل کر سیدھا غزنی کا رُخ کیا۔ شیر علی خاں مقابلہ کے لئے نکلا۔ اور زبردست جنگ ہوئی۔ مگر دونوں چچا بھتیجے کو شکست فاش ہوئی۔ اور انہوں نے مشہد کی راہ لی۔ راستے میں عبدالرحمٰن خان چچا سے علیحدہ ہو گیا اور سمرقند میں چلا گیا۔ چنانچہ آج کل وہیں مقیم ہے (مصنف کتاب کے زمانے میں)

محمد اعظم خان کا انتقال

محمد اعظم خان طہران جا رہا تھا کہ راستے میں بمقام نیشاپور وفات پائی۔ وہ ایک عقلمند، مدبر اور منصف مزاج شخص تھا۔ لیکن واقعات نے اس کی طبیعت کو ظلم و ستم پر مائل کر دیا تھا۔ کیونکہ جب مایوسی حد سے گذر جاتی ہے۔ تو انسان کو کچھ نہیں سوجھتی۔ اور وہ کوئی خلاف طبع کام کرنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے زوال کا باعث اسکا اپنے کمسن بیٹے کو قندھار کی افواج کا قائد مقرر کرنا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے ساتھ شامل

ہنوائے خوانین منافق واقع ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ ہر کسی سے مل جاتے تھے۔ اور ہر کسی کے خلاف ہو جاتے تھے۔ وہ غداری کو ایک معمولی بات سمجھتے تھے۔ محمد اعظم خان مسئلہ وحدت الوجود کا قائل اور تصوف کا دلدادہ تھا۔ اس کے خیالات بھی صوفیانہ تھے۔

امیر شیر علی خان کی امارت

جب شیر علی خان کو بظاہر کوئی دشمن نظر نہ آیا۔ اور اس کی حکومت پختہ ہوگئی تو انگریزوں کی درخواست پر وہ انبالے گیا۔ اور فرنگیوں نے اس پرانے اور جھوٹے عہدنامہ کی یاد دہانی کرائی۔ جو امیر دوست محمد خان کے ساتھ قرار پایا تھا۔

امیر نے انبالے سے لوٹنے پر اپنے بیٹے یعقوب خان کو معزول کر کے اس کی جگہ اس کے بھائی عبداللہ خان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ جو اول الذکر سے عمر میں چھوٹا تھا۔ لیکن اس کی محبت نے یہ سب کچھ کرایا۔ کیونکہ نفسانیت نے اس کی عقل پر پردہ گرا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ راہ مستقیم سے ہٹ گیا تھا۔

ان واقعات کے فوراً بعد یعقوب خان نے جسے باپ نے ولیعہدی سے معزول کر دیا تھا۔ آتش بغاوت بھڑکائی۔ اور اس نے امیر کی فوجوں پر غلبہ بھی حاصل کر لیا۔ لیکن فریب سے جب باپ نے اسے اپنے پاس کابل بلایا۔ تو اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ حالانکہ اس کے باپ کا فرض تھا۔ کہ

اس پر احسان کرتا۔ لیکن وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ جدید ولی عہد بھی واہی ملک بقا ہوا۔ اور امیر کی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔

۱۸۹۵ء میں شہنشاہ روس نے اپنی سفارت امیر کے دربار میں بھیجی چونکہ انگریز ہمیشہ سے روس سے خائف تھے۔ اس لئے امیر کے متعلق اُن کے شکوک میں کچھ یقین کا سا رنگ پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنی ایک سفارت متعدد مستند سپین اور ایک سو سواروں پر مشتمل کر کے بھیجی۔ مگر اس نے انہیں آنے سے روکا۔ کیونکہ انگریزوں نے وہ رقم نہیں بھیجی تھی۔ جو ماہوار مقرر تھی اس پر انگریز برافروختہ ہوئے۔ اور انہوں نے انتہائی بے انصافی کی بنا پر اپنی فوجیں افغانستان روانہ کرنا شروع کر دیں۔

افغانستان کی اقوام تمدن و مذاہب

اور

طرز حکومت

خصوصیات:-

افغانستان کے باشندے افغانی ہیں۔ اور ملک کی آبادی میں انہی کا عنصر اکثریت کا حامل ہے فطرتاً جفاکش اور جنگجو واقع ہوئے ہیں۔ انتقام عداوت، خصومت، دشمنی، نزاع اور کینہ اس قوم کے نمایاں اوصاف ہیں ان کا لباس، زبان اور ہیئت کذائی ان خصوصیات کے روشن ثبوت ہیں۔ چنانچہ ان کی تیوری چڑھی ہوئی اُن کی تنگدلی کا پتہ دیتی ہے۔

بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے کہ وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

خندہ پیشانی کا ان میں تقریباً فقدان ہی ہوتا ہے۔ تاہم ان کی زندگی کے بعض اطوار بردباری اور متانت کے بھی آئینہ دار رہتے ہیں۔ یہ وہ خصوصیات ہیں۔ جو ایک نظر میں نہایت قبیح اور دوسری نظر میں اُن کی بقا کی ضامن کہی جاسکتی

ہیں۔ ڈاکے ڈالنا اور فتنہ انگیزی اور قزاقی ان کے مرغوب مشاغل ہیں۔

فطرت نے افغانوں کو پیدا ہی سپاہی کیا ہے۔ اس لئے اُن کی فطرت میں جنگی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور صدیوں سے ان میں ایک ایسا عسکری نظام پیدا کر دیا ہے جو جدید طریقۂ جنگ سے ہم آہنگ ہے چنانچہ وہ معرکہ آرائی کے وقت باقاعدہ صف آرائی سے لڑائی کرتے ہیں۔ اور اپنی فوجوں کی قیادت تجربہ کار اور ذی اثر سرداروں کو تفویض کرتے ہیں لشکر کشی کے موقعہ پر افسر لشکر کے آگے ہوتا ہے لیکن جب لڑائی کا بازار گرم ہو جاتا ہے تو وہ اپنی فوجوں کی صفوں کے پیچھے آجاتا ہے۔ اور اپنے گھوڑے یا ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی صف کا چکر کاٹتا ہے۔ انہیں لڑائی پر آمادہ کرتا ہے۔ اور ان کی حرکات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نقل و حرکت کے احکام نافذ کرتا رہتا ہے۔

افغانی میدان کارزار سے بھاگنے والے کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اگر کوئی افغان سپاہی لڑتے ہوئے راہ فرار اختیار کرتا ہے۔ تو اُس کی سزا سزائے موت مقرر ہے چنانچہ اسی نوعیت کا ایک واقعہ اصفہان میں پیش آیا۔ یعنی جب ایک افغان مجاہد نے میدانِ کارزار سے بھاگنے کا ارادہ کیا تو اُس کے افسر نے اسے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہا۔ مگر اس نے جلدی سے اپنا داہنا کٹا ہوا ہاتھ اونچا کر دیا۔ جو اس کی عذرداری تھی۔ افسر نے اسے قتل تو نہ کیا۔ مگر اسے سخت مطعون کیا۔ اور یوں بھاگ جانے کو نگاہِ حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے مخنث

باکیا تیرا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تھا۔ وہ تو موجود ہے۔ اگر وہ بھی جاتا رہتا۔ تو تیرے دانت تو تھے جن سے تو دشمن کے گوشت کو نوچ سکتا تھا۔ اب جا اور دشمنوں سے اس وقت تک مصروف پیکار رہ جب تک کہ تیری زندگی کا آخری سانس باقی ہے۔" اُسے یہ کہہ کر فوج میں واپس بھیجدیا۔

اطاعتِ امیر:۔ میدان جنگ میں ہلاک یا شہید ہو جانے والے افغان ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے جاتے ہیں۔ اور ان کے افسران ان کی تجہیز و تکفین کرتے رہتے ہیں مگر جو شخص بھاگتے ہوئے مارا جائے۔ اس کی تجہیز و تکفین ناجائز خیال کرتے ہیں افغان اپنے سرداروں کے اس درجہ تابع ہوتے ہیں۔ کہ کسی مہذب ملک کی شاہی فوج بھی اُسکی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ اگر افغانی فوج کسی کوہ و بیاباں میں بالکل پراگندہ ہو جائے۔ اور اُس کی تنظیم میں خلل واقع ہو۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے سے جُدا ہو جائے۔ تو اس حالت میں اگر کسی رئیس یا افسر کی طرف سے بلائے جائیں۔ تو وہ حکم پاتے ہی متعینہ مقام پر جمع ہو جائیں گے۔ اس وقت اگر وہ شدت سے بھوک پیاس محسوس کر رہے ہوں۔ اور انہیں کھانا وغیرہ پیش کیا جائے۔ تو وہ اپنے افسر کے حکم کی تعمیل کو ترجیح دیں گے۔ اسی جذبۂ اطاعت کے پیش نظر اگر وہ علاقہ مفتوحہ میں داخل ہوں۔ اور انہیں حکم دیا جائے۔ کہ شہر کے کسی باشندے سے کچھ تعرض نہ کریں۔ تو وہ ادنےٰ سی درشتی کے بھی مرتکب نہ ہوں گے۔ اور بکمال سکون و اطمینان کے ساتھ

شہر میں داخل ہو گئے حتیٰ کہ اگر اُن کے سامنے عورتیں زریں تاج زیب کئے ہوئے گذریں گی۔ تو وہ ان کی طرف بھی ذرّہ بھر ملتفت نہ ہوں گے۔

جس دن اشرف علی تخت حکومت پر متمکن ہوا شہر اصفہان میں دو افغان جماعتیں کسی مابہ الاختلاف مسئلہ کی بنا پر باہم دست گریبان ہو گئیں۔ اور فتنہ و فساد کی آگ اندر ہی اندر سلگنے لگی۔ یہ صورت حالات دیکھ کر اہل شہر بہت گھبرائے دکانداروں نے اپنی دکانیں بڑھا دیں۔ اور انہیں مقفل کر دیا۔ مگر اشرف نے حکم جاری کیا۔ کہ رعایا اس فتنہ و فساد سے بالکل محفوظ رہے گی دکاندار اپنی دکانیں کھول دیں۔ اگر انہیں ذرہ بھر بھی نقصان پہنچا۔ تو میں اس کی تلافی کرونگا۔

فتنہ فساد اور اختلاف میں کسی قسم کا ڈسپلن قائم نہیں رہ سکتا لیکن افغانوں نے حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔ اور کئی روز تک شہر لڑائی کی آماجگاہ بنے رہنے کے باوجود انہوں نے رعایا کو ذرہ بھر پریشان نہ کیا۔

افغانوں کا طریق جنگ

افغان تیر بازی اور شمشیر زنی میں ید طولےٰ رکھتے ہیں۔ اب انہیں بندوق کا نشانہ لگانے میں حیرت انگیز کمال حاصل ہو گیا ہے۔ گھوڑے کی سواری میں بھی وہ نہایت باکمال واقع ہوئے ہیں۔ جدید طریق جنگ میں انہوں نے مہارت تامہ حاصل کر لی ہے۔ شیر علی خان کے زمانے تک اُن کی

باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔

بُود و باش

افغان اپنی بود و باش کے لحاظ سے قدیم زمانے کی یادگار کہے جا سکتے ہیں۔ قندہار، غزنی اور جلال آباد کے باشندے اگرچہ شہری زندگی سے مانوس ہو گئے ہیں لیکن ان میں بھی دیگر افغانوں کی طرح جبلّی خشونت پائی جاتی ہے نہ شہری زندگی کے اسباب تعیش سے تو متنفر ہیں۔ اور ان کی زندگی کا غالب پہلو سادگی ہے۔ مگر ان کی روش میں ۔۔ رسے تغیر واقع ہو گیا ہے۔ وہ ادنیٰ اشیا پر قانع ہیں حتیٰ کہ کھال کے ساتھ ہی دُنبے کو کھا جاتے ہیں وہ اسے ذبح کر کے اس کے اُون کو جلا کر اُسے خشک کر لیتے اور اپنی خوراک کے لئے جمع کر لیتے ہیں۔ وہ چمچے کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ اپنے برتنوں کو میز پر رکھ کر کھانے کی بجائے زمین پر بیٹھ کر ہاتھوں سے کھاتے ہیں۔

پوشاک

وہ پہننے کے کپڑوں کو بھی صاف کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اپنے مکانوں کی صفائی کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے۔ ان کے شہروں میں گندگی پڑی رہتی ہے اور لشکر گاہوں میں مردہ جانور بے احتیاطی کی حالت میں پڑے

رہتے ہیں۔ اور وہ اُن کے تعفّن سے بچنے کا کوئی علاج نہیں کرتے بہت سے کوہستانی اور دیہاتی کھانا کھانے کے بعد اپنے ہاتھوں کو دھونے کی بجائے اپنی داڑھیوں کے ساتھ پونچھ لیتے ہیں۔ یا اپنے کپڑوں سے صاف کر لیتے ہیں بعض پہاڑوں کے افغان باشندے جب نئے کپڑے بدلتے ہیں۔ اُن کے دامن کو چربی وغیرہ سے تر کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے کپڑوں کے دامن چکنے چپڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ یہ شخص مالدار ہے اور اپنے قیمتی کپڑوں کے خراب ہونے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ اور بہت مرغن خوراک کھاتا ہے۔

خیمہ نشین اور بیاباں نورد موٹے اور کھردرے لباس کے عادی ہیں۔ اُن کی پوشاک لبادے کی قسم کی ہوتی ہے۔ جو عجیب و غریب شکل رکھتی ہے۔ اور اس میں ہاتھی کی سونڈ کی مانند لمبی لمبی آستینیں ہوتی ہیں۔ جو زمین تک آویزاں رہتی ہیں۔ اس لبادہ نما کرتے کو یہ لوگ کوسی کہتے ہیں۔ اسی طرح ان کا ایک اور لباس بھی ہے جو رانوں تک لٹکتا ہے۔ اسے صدری کہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کپڑے اُس وقت تک نہیں بدلتے جب تک کہ وہ پھٹنے کے قریب نہ ہو جائیں۔

اہل شہر موٹی بانات کی پوشاک زیب تن کرتے ہیں۔ جسے وہ برکر کہتے ہیں۔ اسی بانات کے وہ تنگ اور چھوٹی آستینوں کے جبّے تیار کرتے ہیں۔ اور رنگین چھینٹ کے قبا بھی بنا کر پہنتے ہیں۔

جاڑے کی رُت میں وہ دُنبے کے بچوں کی کھال اُتار کر انہیں پکاتے ہیں۔ تا آنکہ وہ ریشم کی طرح نرم ملائم ہو جاتی ہے۔ پھر اُسے زرد رنگ میں رنگتے ہیں۔ جس سے وہ نہایت خوشنما ہو جاتی ہے۔ پھر اس پر ریشم کا کام بناتے ہیں۔ محنتی اور جفاکش لوگ اس کا کوٹ بنا لیتے ہیں۔ جو گھٹنوں تک لمبا ہوتا ہے۔ اور آستینیں کہنیوں تک ہوتی ہیں۔ وہ اسے پوستینچہ کہتے ہیں۔ متوسط الحال افغان اسی کو ٹخنوں تک بنا لیتے ہیں۔ جسے پوستین کہتے ہیں۔ اس کی آستینیں ان کے دیگر لباس کی طرح طویل ہوتی ہیں۔ بعض دولت مند افغان کشمیری شال کے اور بعض سمور اور سنجاب کے چغے پہنتے ہیں۔

اکثر افغانی سر سے لمبی لنگی لپیٹتے ہیں جس کا رنگ نیلا ہوتا ہے۔ اُمراء اور روساء اپنے سروں سے کشمیری شالیں لپیٹ لیتے ہیں۔ گرم اضلاع کے باشندے اپنے پیروں میں چپل پہنتے ہیں۔ ڈھیلی آستین والے نصف ساق تک لمبے کرتے پہنتے ہیں۔ جن پر ڈھیلی ڈھیلی صدریاں ہوتی ہیں۔ اور اکثر نہایت چوڑے کمر بند باندھتے ہیں۔ جن کا عرض پیٹ سے لے کر رانوں تک ہوتا ہے۔ اکثر قبائل اپنے سر کے بال نہیں منڈاتے اور اکثر اپنے بالوں کی لمبی لمبی چوٹیاں بناتے ہیں۔

افغان عورتوں اور مردوں کے لباس میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں۔ وہ سینے کے قریب اپنے پستانوں پر کپڑا باندھتی ہیں۔ جو سینے کے ابھار کو نمایاں

کرنے میں مدد دیتا ہے کوہستانی قبیلوں کی خواتین اکثر گھوڑی کے دم کے بال اپنے بالوں کے ساتھ جوڑ کر گوندھتی ہیں۔ قبیلہ خلجی کی عورتیں پیشانی کے بالوں کو گولائی میں گوندھتی ہیں۔ جو کنپٹیوں تک جو میں اور ناک تک طول میں پہنچتے ہیں۔ یہ ایک نقاب کا کام بھی دیتا ہے جس کی شکل گول ہوتی ہے۔ یہ خواتین اپنے کانوں میں سونے چاندی یا لوہے کی نہایت موٹی اور لمبی بالیاں پہنتی ہیں۔ جو شیشے یا تانبے کی بھی ہوتی ہیں۔

ذرائع معاش:-

باایں علم و فراست با پر کاہ ہے نمی گیرم!
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را

جو افغان پہاڑوں اور جنگلوں میں رہائش اختیار کرتے ہیں وہ مویشی پال کر گزر اوقات کر لیتے ہیں۔

تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

پہاڑی قبائل میں سوا قبیلہ لوہانی کے باقی تمام باشندے معمول کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور یہ قبیلہ تجارت پیشہ ہے۔ وہ اسے اپنا محبوب مشغلہ سمجھتے ہیں۔ اور چین اور سائبیریا کی حدود تک پہنچنے کے لئے اونٹوں کو بار برداری کے کام کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ مغرب میں اناطولیہ تک جاکر تجارت کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی آتے ہیں۔ یہ بلحاظ

لباس باقی تمام قبائل سے امتیاز کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ لوگ جو گوشہ عمامہ باندھتے ہیں۔ اُن کی قبائیں بھی دیگر تمام افغانی قبائل سے متمیز ہوتی ہیں۔ جو ارناؤد اور آذربائیجان کے باشندوں کی قباؤں سے مماثلت رکھتی ہیں۔

شہروں اور دیہات کے لوگ کھیتی باڑی اور باغبانی کے مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ لوہاروں، نمکخانوں اور جولاہوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ قندھاری تجار ہوتے ہیں۔ اور افغانستان کے جملہ اضلاع کی نسبت یہ ضلع تجارت میں پیش پیش ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو اس سے خصوصی لگاؤ ہے۔ طلبا بھی تجارت میں ذوق و شوق سے حصہ لیتے ہیں

افغانوں کو انتظام و انتساقِ حکومت میں مہارت نہیں۔ اس لئے اس شعبے پر قزلباس قوم کے افراد چھائے رہتے ہیں۔ جو نادرشاہ کی فوج کے بقیۃ السیف میں شمار ہوتے ہیں۔

افغان قیدیوں کی خواہ وہ غیر مُسلم ہی ہوں خرید و رقت ناجائز سمجھتے ہیں وہ مسافروں کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ چوری کو قبیح اور لوٹ مار کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کو ایک قابلِ افتخار کام خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس پر صدق دلی سے غور کیا جائے۔ تو دونوں میں سوا قوت و ضعف کے اور کوئی فرق نہیں۔ افغان امراء اُن برائیوں سے مجتنب رہتے ہیں۔ جنہیں دولت اور نعم تخلیق کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دیانہ اخلاق و اطوار ان کی فطرت بن گئے ہیں۔

"پردہ"

(خطۂ پنجاب کی طرح۔ صاحب) افغانی دیہات میں عورتیں بے پردہ رہتی ہیں۔ اور شہر میں رہنے والی خواتین پردہ کی پابند ہوتی ہیں۔ اور خوشی و مسرت کے مواقع پر وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر رقص کرتی ہیں بعض اوقات مرد بھی عیدین پر اسی صورت رقصاں ہوتے ہیں۔ جو دائرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اسے وہ اپنی زبان میں آتن کہتے ہیں۔

"شادی بیاہ کی تقاریب"

قصبوں اور گاؤں میں رہنے والے شادی کی تقریب پر دلہن کا باپ اپنے اعزا، اقربا اور احباب وغیرہ کو مدعو کرتا ہے۔ انہیں جہیز دکھاتا ہے اور وہ کپڑے بھی دکھاتا ہے۔ جو اُس نے دولہا کے لئے تیار کئے ہوئے ہوتے ہیں پھر اسی محفل میں دلہا کو دعوت دی جاتی ہے۔ وہ حاضرین محفل کے سامنے کپڑے پہنتا ہے۔ اور کپڑے زیب تن کرنے سے پہلے فاتحہ کی تلاوت ہوتی ہے۔ بعض عورتیں دلہن کو کپڑے پہناتی ہیں۔ اور اُسے راستے میں مختلف گیت گاتی ہوتی دلہا کے گھر پہنچاتی ہیں۔ نقارے بھی بجائے جاتے ہیں۔ جب وہ حجلۂ عروسی میں بیٹھ جاتی ہے تو اس کی سہیلیاں۔ ہمجولیاں اور محلہ لڑکیاں اُس کے بستر پر سے میوے اور مٹھائیاں نثار کرتی ہیں۔ اور جو عورتیں دعوت میں شریک ہوتی ہیں۔ وہ کھاتی جاتی ہیں۔

عروس کئی دنوں تک دلہا کے گھر شرم وحیا کی گڑیا بنی رہتی ہے اور گوشہ نشینی اختیار کر لیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے آپ کو ہوا بھی لگنے نہیں دیتی۔ جب یہ مقررہ دن بیت جاتے ہیں۔ تو محلہ کی لڑکیاں آکر دف بجاتی ہیں۔ ہر ایک اپنے سر پر گھڑا اٹھائے ہوتی ہے۔ اور یہ سب گاتی بجاتی کسی دریا یا چشمے کے کنارے پہنچ جاتی ہیں۔ اپنے گھڑوں کو پانی سے بھر کر گھر میں لوٹ آتی ہیں۔ ان میں دلہن بھی شریک ہوتی ہے۔ یہ رسم پوری ہو جاتی ہے تو دلہن آزادی کے ساتھ گرہستی زندگی بسر کرنے لگتی ہے۔ اور اس کی خلوت گزینی ختم ہو جاتی ہے مگر افغانستان کے دو قبائل ایسے ہیں جن میں اس تقریب پر عروس کے والدین کا رقص بھی ہوتا ہے

"تہنیت"

ان ہر دو قبائل زمنگل اور داور کے نوجوان عیدین کی تقریبات پر ایک اور اور اس کے مخالف کا ایک مونچھ منڈاتے اور ایک آنکھ میں سیاہ اور ایک میں سرخ سرمہ لگاتے ہیں جس کے چہرے پر داڑھی ہوتی ہے۔ وہ ایک طرف کا حصہ منڈا دیتا ہے ان دنوں میں وہ تلواروں کو نیاموں سے عریاں کر لیتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے کھیلتے ہیں۔ دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ حقیقت میں ایک دوسرے پر تلوار سے حملہ کر رہے ہیں۔ اس قبیلہ کے لوگ حسن صورت کے عاشق اور جمال و خوبی کے شیدائی ہوتے ہیں۔ اور اکثر اسی کھیل میں کسی کو اپنی حسن پرست نگاہوں کا مرکز بنا لیتے ہیں عشق و محبت کی صداقت کا اظہار کرنے کے لئے بڑی بڑی

قربانیاں کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اپنے باپ کو بھی حسن کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے۔

"تعزیت"

جملہ افغان قبائل کی یہ رسم ہے کہ تعزیت کے موقع پر ماتم کرنے والوں کو تین دن تک کھانا کھلاتے ہیں۔ بعض قبائل ہیں اس کے اخراجات خود صاحب ماتم برداشت کرتا ہے اور بعض ہیں ہمسایہ اور قریبی گاؤں کے رہنے والے اس کی کفالت کرتے ہیں۔

قبیلہ خٹک کی عورتیں ماتم کرنے کے وقت اپنے چہروں کو زنگ دار بنا لیتی ہیں پھر ان پر خاک ڈالتی اور ماتم کرتے کرتے اپنے ناخنوں سے چہرے کو لہولہان کر لیتی ہیں۔

"رقص"

بعض دیہاتی افغان اپنے لڑکوں کو رقص کی تعلیم دیتے ہیں۔ انہیں میموں کے سایوں سے مشابہ لباس پہناتے ہیں۔ اور خوشی کی تقاریب پر اس ہیں ہر طرف کلیاں لگائی جاتی ہیں۔ دیہاتی اور صحرا نشین افغانوں کے ہاں جب لڑکا متولد ہوتا ہے تو دایہ گھر کے کوٹھے پر چڑھ کر تین دفعہ با آواز بلند لڑکے کے تولد ہونے کی اطلاع دیتی ہے۔ اگرچہ نصف شب ہی کیوں نہ گذر چکی ہو وہ خدا کا شکر بجا لاتی ہے۔

"افغانوں کا مذہب"

جملہ افغان اہل سنت والجماعت پر ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب پر ہیں۔ مرد، عورتیں۔ شہری اور دیہاتی پابند صوم وصلواۃ ہیں۔ صرف ایک قبیلہ توری ہے جو مذہب تشیع پر کاربند ہے جس کی اپنے سُنی ہمسایوں سے معرکہ آرائی رہتی ہے۔ یہ لوگ اپنی شعیت کے اظہار میں غلو سے کام لیتے ہیں محرّم کے عشرۂ اول میں خوب پیٹتے ہیں۔ اپنے پیٹوں سینوں اور کندھوں کو زنجیروں سے خونین کر لیتے ہیں۔

افغانستان کے ایک قبیلہ میں جو کاکڑ کہلاتا ہے۔ ابھی مزدکی شریعت کے آثار نظر آتے ہیں اگرچہ وہ لوگ مدّت سے مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں لیکن ان کے بعض رسم ورواج ابھی تک دین آبائی کی غمازی کرتے ہیں جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندو تمدّن کا اثر قبول کیا ہے۔ اور جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور ابھی تک ان کے رسم ورواج میں ہندو تہذیب کی کچھ جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ہر چند وہ بظاہر توحید پرست ہیں۔ صائب مزدک قباد (شاہ فارس) کے زمانے میں ہوا ہے۔ وہ نبوّت کا دعویدار تھا اور خود بادشاہ کے علاوہ چالیس ہزار ایرانی اس کے پیرو تھے۔ اُس کے مذہب کا ایک اصول یہ تھا۔ کہ چونکہ عورت اور مال تنازعے کی بنیاد ہیں۔ اور دُنیا کی اور دنیا کی تمام لڑائیاں انہی دو کی بنا پر واقع ہوتی ہیں۔ اور دنیا امن وامان

کی راحتوں سے ہم آغوش ہو جائے۔ کیقباد کے انتقال کے بعد اس کا مشہور بیٹا نوشیرواں تخت سلطنت پر متمکن ہو کر معدلت آرا ہوا۔ اور اس نے مزدک کو نہایت احترام سے دربار میں بلایا اور کہا۔ میں آپ کو برحق سمجھتا ہوں۔ اور آپ کے حلقہ ارادت میں آنے کا متمنی ہوں لیکن جب تک میں آپ کے پیروؤں کا حال نہ دیکھ لوں۔ اور جب تک مجھے یہ پتہ نہ چل جائے۔ کہ آپ کے متبعین کتنی تعداد میں ہیں تاکہ مجھے یہ تسلی ہو جائے۔ کہ وہ آپ کے مخالفین کا شر دور کرنے کے قابل ہیں۔ اسوقت تک میں اپنے اعتقادات کو پردۂ راز میں رکھنا چاہتا ہوں"۔ مزدک یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور اس نے اپنے پیروؤں کو ایک مقرر کردہ جگہ پر مدعو کیا۔ جب سب اکٹھے ہو گئے۔ تو نوشیرواں نے انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا کیونکہ مزدکی فلسفہ کے بموجب سلطنت کو خطرہ تھا۔ کیونکہ حکومت مال اور نسب کے بل پر قائم ہوتی ہے۔ اور اگر مال اور عورتیں مشترک قرار دے دی جائیں گی تو سلطنت کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ جب نوشیرواں نے مزدکیوں کا استیصال کیا۔ تو اس وقت صرف تین آدمی اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلے تھے۔ جن میں سے ایک مزدک کی بیوی بھی تھی۔ انہی باقی ماندہ آدمیوں نے۔ ایران کا مشہور فرقہ اباحتین جاری کیا۔ جو وراثتاً چلا آتا ہے

خوست اور کرم کے باشندے اہل تشیع ہیں۔ اور غرہ محرم کی ایک ہیکل بنا کر دفن کرتے ہیں۔ پھر اسے عاشورہ کے دن نکال کر نہایت

خوشی خوشی اس کی گردن کاٹتے ہیں۔ یہ لوگ مختون نہیں ہوتے۔ بلکہ ختنے کو نہایت بُرا خیال کرتے ہیں۔ افغان اگرچہ قومی و مذہبی لحاظ سے سخت متعصب واقع ہوئے ہیں لیکن وہ کسی غیر مسلم یا شیعہ سے عداوت کا برتاؤ نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے مراسم کو بھی نگاہ حقارت سے نہیں دیکھتے۔ اور اگر ان میں سے کوئی فرد حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہو جائے۔ تو اس کے لئے روڑا ثابت نہیں ہوتے چنانچہ حکومت کے اعلیٰ ترین مناصب قزلباشوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جو کٹر شیعہ ہیں۔

ہر افغانی عزت نفس سے بہرہ ور ہے۔ اگرچہ وہ کتنا ہی مفلس کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے۔ کہ وہ سب لوگوں سے افضل اور شرافت مآب ہے۔ اور صرف عرب اور افغان ہی دنیا کی دو ایسی اقوام ہیں۔ جو خالص اسلامی تمدن کی روح و رواں ہیں۔

جرگہ۔

جب کوئی قبیلہ کسی بات کا فیصلہ کرنے کے لیے سب سرداروں کو مدعو کرتا ہے۔ تو اس مجلس کو جرگہ کہتے ہیں۔

جذبۂ انتقام۔

جب ایک قبیلہ کا شخص دوسرے قبیلے کے کسی آدمی کو تلوار کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ تو مقتول کا قبیلہ قاتل کے قبیلہ سے انتقام لینا اپنا فرض

سمجھتا ہے۔ انہیں صرف حاکم کا قصاص مطمئن نہیں کر سکتا۔ اور وہ اس کے کسی فیصلہ پر قانع نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر قاتل خود مقتول کے قبیلہ میں جا کر طالب پناہ ہو۔ تو اُسے معاف کر دیتے ہیں۔ افغانی انتقام لینے میں بڑے سخت واقع ہوئے ہیں اور وہ برسوں جذبہ انتقام کو دل میں چھپائے رہتے ہیں۔ اگر ایک خاندان کا کوئی فرد دوسرے خاندان کے کسی فرد کو قتل کر دیتا ہے۔ تو اس صورت میں بھی ان کے جذبہ انتقام کی یہی حالت ہوتی ہے۔

"عادات واطوار"

جب افغانوں کے پاس کوئی پناہ گزیں ہوتا ہے۔ تو وہ اس کی اعانت میں جان و مال قربان کر دینے میں دریغ نہیں کرتے۔ دیہاتی ہوں یا شہری افغان سب چھوٹی تلواروں سے مسلّح رہتے ہیں۔ جنہیں وہ نورہ اور سیلاوہ کہتے ہیں۔ بندوقوں اور پستولوں وغیرہ سے بھی مسلّح رہتے ہیں پہاڑوں میں رہنے والے افغان اپنے پاس توڑیدار بندوقیں رکھتے ہیں۔ افغانی قبائل آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ اور ان کی لڑائیوں کا سلسلہ کبھی نہ ختم ہونے والا ہوتا ہے۔ وہ بغیر لڑائی بھڑائی سے نچلے نہیں بیٹھ سکتے۔ وہ لڑائی کے وقت باپ بیٹے کے خونی رشتے کو بھی فراموش کر جاتے ہیں۔ اور باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو قتل کرنے میں ذرہ بھر تذبذب محسوس نہیں کرتا۔ وہ اکثر امرار کی اطاعت محض اس کے قوی ہونے کے باعث کرتے ہیں۔ ورنہ کسی کی اطاعت

کرنا ان کی فطرت ہی میں داخل نہیں۔ اور ہمیشہ ایسی دھن میں رہتے ہیں۔ کہ کسی طرح حلقۂ اطاعت سے نکلنا چاہیئے۔

غذا :

بعض افغان جو اور جوار کھاتے ہیں۔ اور بعض گیہوں۔ ان کا سالن گوشت اور پنیر ہوتا ہے۔ وہ جاڑے کے موسم میں ان دونوں کا مرکب مرغوب سمجھتے ہیں روٹیاں تنور میں لگواتے ہیں۔ بعض قبائل یعنی یوسف زئی اور آچیک زئی پیاز کو نادر تحفہ خیال کرتے ہیں۔ جب انہیں کوئی اجنبی نظر آتا ہے۔ تو وہ اس سے نہایت ڈھنگ سے کہتے ہیں "ہمارے یہاں ایک مریض ہے۔ اس لئے ہمیں ایک پیاز کی ضرورت ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ آپ ضرور عنایت فرمائیں گے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ وہ اسی سے شفایاب ہو۔"

آچیک زئی قافلے لوٹنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور راستوں میں گھات لگا کر بیٹھتے ہیں جب کوئی قافلہ گزرتا ہے۔ تو وہ اس پر آتشیں اسلحات سے حملہ کرتے ہیں۔ اگر اس پر غالب آجانا مشکل ہو۔ تو اس سے سیر دو سیر پیاز کے بدلے میں صلح کر لیتے ہیں۔

جب محمد اعظم خان جو شیر علی خان کا بھائی تھا۔ ہندوستان سے اپنے وطن کو مراجعت فرما ہوا۔ تو راستے میں قبیلہ یوسف زئی میں گزرا ہوا۔ تو قبیلہ مذکور کے سردار نے ایک عدد پیاز اس کے حضور نذر کیا۔ اسوقت قبیلہ

کے اُس سردار کے چہرے پر خوشی اور مسرّت کی سُرخی دوڑ رہی تھی۔ گویا وہ یہ نادر تحفہ پیش کر کے فخر محسوس کر رہا تھا۔

لیکن یہ مشہور لطیفہ ہے۔ کہ چند کشمیری ہاتو اکبر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے آگرہ آئے۔ اور راستے میں کچھ پیاز بھی خرید کر لے گئے تاکہ یہ تحفہ بادشاہ کے حضور پیش کریں چنانچہ انھوں نے سرِ دربار بادشاہ کو پیاز پیش کئے۔ بادشاہ نے اغلباً اسے اپنی توہین سمجھا۔ اور حکم دیا۔ کہ تمام ہاتو کان پکڑیں۔ اور نوکروں کو کہا۔ کہ پیاز ان کی پیٹھ پر مارے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صائب

"اولیار سے عقیدت مندی"

افغان اولیار کی قبور کی زیارت کرنے میں نہایت غلو کرتے ہیں یعنی انہیں بتوں کی طرح پوجنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ اور اُن کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

رگویا ان کی یہ عقیدت بدعت کے درجہ تک پہنچ چکی ہے) حتیٰ کہ ایک قبیلہ آفریدی سے جو لوٹ مار میں شہرتِ دوام حاصل کر چکا ہے ایک مالدار شخص کا سامنا ہو گیا۔ اُس نے خدا اور رسول کا واسطہ دیا۔ تو اُس پر رحم نہ کھایا لیکن جب اُس نے مُلّا یار محمدؒ کی قبر کا واسطہ دیا۔ تو اُسے چھوڑ دیا۔ اور کہا۔ کہ اگر میں اسکے بعد بھی تمہیں کسی قسم کا کوئی گزند پہنچاؤں۔ تو میں کفر میں مبتلا ہو جاؤں۔ یہ کہا

اور اپنا رستہ لیا۔

اکثر قبائل اور دیہاتی افغان بیکاری کے دنوں میں جمع ہو کر ایک دائرہ کی صورت میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے رقص کرتے ہیں۔ اور گھوڑوں اور تلواروں سے کھیلتے ہیں۔ خوست اور کرم جیسی برفیلی اور سرد پہاڑیوں میں رہنے والے سفید فام اور جلال آباد کی طرح گرم علاقوں کے باشندے گندم گوں ہوتے ہیں۔

ان رسموں کے علاوہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایک رسم یہ بھی ہے۔ کہ جب اُنکا کوئی عزیز انتقال کرتا ہے۔ تو اس کے مال میں سے کچھ روپیہ لیکر فقراء و مساکین کو تقسیم کرتے ہیں۔ اس رسم کا نام استعاط صلواۃ رکھا گیا ہے۔

تعلیم۔

خواہ دیہات میں رہنے والے ہوں۔ خواہ شہروں میں بسنے والے سب افغانی علم و فضل کے شیدائی ہیں اور فقہ، حدیث، منطق، صرف نحو معانی بیان، اصول تفسیر، فلسفہ، اور حساب کی تعلیم حاصل کرنے میں پورے انہماک کا اظہار کرتے ہیں۔ جو ذی استطاعت طلباء نہ ہوں۔ ان کے تعلیمی اخراجات عوام برداشت کرتے ہیں۔ اور طالبعلم جب تک پڑھتے ہیں۔ اُن کے کھانے کا صرف گوارا کرتے ہیں۔ ہر افغانی اپنے گھر میں اُن کی روزانہ خوراک کا انتظام کرتا ہے اور کھانے کے وقت کوئی چھوٹا طالب علم ہر گھر سے کھانا جمع کر کے لے آتا ہے اسطرح

جو کھانا طلبار کے لئے گھروں میں مخصوص ہوتا ہے۔ وہ اسے اپنے مصرف میں لانا موزوں تصور نہیں کرتے۔ اور اگر روٹیاں جمع کرنے والا طالب علم کسی روز کسی گھر میں جانا بھول جاتا ہے۔ تو وہ کھانا یوں ہی پڑا رہنے دیا جاتا ہے۔

طبقۂ علمار

اس ملک میں علمار کا روحانی تسلّط قائم ہے۔ اور عوام کے دلوں پر ان کا قبضہ ہے۔ افغانستان کی جملہ رعایا اُن کے زیر اثر ہے۔ حکام اور اُمرار کا طبقہ بھی اُن سے خائف رہتا ہے۔ مگر وہ اُمرار کی صحبتوں سے متنفر ہیں اور اگر وہ تحفے تحائف ان کی نذر کرنا چاہیں۔ تو قبول کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ ارباب سلطنت سے ملنا اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ شہر کے حاکم اعلیٰ کی ملاقات کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں۔

اس اقتدار کی بنار پر ملک اکثر فتنوں کی آماج بنا رہتا ہے کیونکہ یہ لوگ ایک دوسرے پر تکفیر کے فتوے صادر کرتے رہتے ہیں کیونکہ جب حالات کو اپنے موافق نہیں پاتے اور کسی شخص کو اپنے لئے ناساز گار تصور کرتے ہیں تو فوراً کفر کا فتویٰ عاید کرکے عوام کو اس کے خلاف برانگیختہ کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے ذاتی اقتدار کو برقرار رکھتے ہیں وہ جسے اپنے فتووں کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُسے حکامِ سلطنت سے سخت ترین سزائیں بھی دلاتے ہیں کیونکہ حکومت پر بھی ان کی شخصیت اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ قندھار

کے ایک بڑے عالم نے ایک فرقے کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا تو کئی مہینوں تک شیعہ سُنی نزاع کا میدان گرم رہا۔

ع زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا!
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوُں میں

بعض علماء مسندِ ارشاد و طریقت پر متمکن ہوتے ہیں۔ ان کا مہمان خانہ وسیع اور دستر خوان طویل و عریض ہوتا ہے۔ ان کا علماء سے کہیں بڑھ کر اثر و اقتدار ہوتا ہے۔ ان کے ادنیٰ اشارے پر ہزاروں لوگ سربکف حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان کے دستر خوان شاہی ہوتے ہیں۔ جن سے وقت پر کھانا دستیاب ہوتا ہے۔ ان کی وجاہت اور سطوت ان کے حلقۂ ارادت سے وابستہ ہوتی ہے جتنے کسی کے مریدین ہوتے ہیں۔ اتنا ہی وہ ذی اثر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ملک کے دور دراز حصّوں کے لوگ اُن کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اور جب وہ اُن کی زیارت کو حاضر ہوتے ہیں۔ تو اپنے ساتھ بیش قیمت تحفے تحائف نذر کے لئے لاتے ہیں جن کے بل بوتے پر اُن کے مہمان خانوں کی رونق قائم ہے اور جب تک اپنے پیر و مرشد کے پاس قیام کرتے ہیں۔ کھانا وہیں سے کھاتے ہیں۔ بستر وغیرہ کا انتظام بھی وسیع پیمانہ پر ہوتا ہے بعض مشائخ کا اثر ان کے ضلع تک محدود ہوتا ہے۔ اور بعض تمام ملک پر مسلط ہوتے ہیں اگر کوئی ہمسایہ ملک حملہ آور ہوتا ہے۔ تو یہ مشائخ ہی اس کی مدافعت کا سامان کرتے ہیں اور

اپنے جملہ مریدوں اور عقیدت مندوں کی فوج مرتب کر لیتے ہیں۔

ان مشائخ میں ایک مشہور شیخ عبدالغفور ہو گذرے ہیں۔ جو تمام افغانستان کے علاوہ بخارا پر بھی اپنا اقتدار قائم کئے ہوئے تھے۔ یہ نہایت زاہد و عابد شخص تھے۔ اور نہایت سادگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے احکام دفرامین ملک میں جاری کئے جاتے تھے۔ اور اُن کے فتاویٰ مستند مانے جاتے تھے۔ کئی بار انہوں نے انگریزوں پر حملہ کیا تھا۔ اور فتح پائی تھی۔ ان کے حلقۂ ارادت میں ایک کثیر جماعت موجود رہتی تھی۔ وہ اخوند صوات کے نام سے مشہور تھے۔ جو وہابی حضرات سیکھوں کے خوف سے صوات اور بنیر میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ وہ اُن کی مدد کرتے تھے اور جہاد میں ان کے دوش بدوش لڑتے تھے۔

شیخ عبدالغفور صاحب کے پاس جب زائرین آتے تھے۔ تو ان کے حسب مراتب ان کی خاطر مدارات کرتے تھے۔ چنانچہ امرا کو ان کے لائق، غربا کو ان کے موافق اور فقرا کو ان کی حسب حیثیت کھانا کھلاتے تھے۔ وہ جب یہ سنتے تھے کہ کسی اور شیخ یا عالم کی عزت و شہرت ملک میں بڑھ رہی ہے۔ تو وہ حتی الوسع اُسے بام ثریا سے تحت الثریٰ میں گرانے ہی کی کوشش کرتے تھے۔ تاکہ لوگوں کے دل اس کی طرف سے متنفر ہو جائیں۔ اور حکم جاری کر دیتے تھے۔ کہ لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل نہ ہوں۔ اُسے وہابی وغیرہ کا خطاب مرحمت فرماتے تھے۔ تاکہ وہ عوام کی نظروں سے گر جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسے کئی لوگوں کو کفر کے

فتووں سے نوازا تھا۔ اور بے شمار کو تلوار کے گھاٹ اتروا دیا تھا۔ اور بعض کی نہایت بُرے طریقوں سے تذلیل و توہین کرائی تھی۔

"تمباکو نوشی"

علماء بخارا کی طرح علماء افغانستان بھی تمباکو کو حرام سمجھتے ہیں اور اُن کے مریدوں کو جہاں چلم یا حقّہ مِل جاتا ہے۔ اُسے توڑ ڈالتے ہیں شیخ عبد الغفور المعروف اخوند صاحب، اپنے عقیدت مندوں کو تلقین کرتے تھے۔ کہ وہ تمباکو نوشی کو روکنے کی حتےّ الوسع کوشش کریں۔

"ذبیحہ"

علماء کرام شیعوں کے ذبیحہ کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس کے جواز میں یہ دلیل دیتے ہیں۔ کہ شیعہ لوگ مُرتد ہوتے ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ اہل کتاب میں ہیں"

تمام افغانی اپنے کاندھوں پر ایک موٹی یا باریک چادر رکھے ہوتے ہیں جو نماز کے وقت کام آتی ہے۔ سب کے سب پابندِ صلوات ہیں مگر اکثر مشائخ احکام شریف کو بجا لانے میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔

"افغانی طلباء"

عوام طلباء کی عزت و تکریم کرتے ہیں حتیٰ کہ طلباء اس غیر معمولی تکریم کی وجہ سے سرگراں ہو گئے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص طلباء کی توہین کرتا ہے تو وہ

قرابینوں سے مسلّح ہو کر اُس کے گاؤں یا قبیلہ پر حملہ آور ہوتے ہیں اور جب تک وہ توہین کا کفّارہ ادا نہیں کرتا جنگ جاری رہتی ہے۔ طلبار سال میں چند بار ایک جلسہ منعقد کرتے ہیں جس میں غیر طلبار بھی مدعو کیے جاتے ہیں کسی ایک گاؤں کے ذمّہ جلسہ کے جملہ مصارف کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ جلسہ میں حاضرین طلبار کی تعداد ایک ہزار سے بھی متجاوز ہو جاتی ہے۔ پھر ایک پُرتکلّف دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کسی طالب علم کو انتخاب کر کے اُسے سلطان کا لقب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ دوران جلسہ میں وہ جو چاہے حکم سے کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ کسی کے قتل کا حکم بھی جاری کر سکتا ہے۔ اور جسے چاہے جرمانہ یا تاوان کی سزا کا مستوجب قرار دے دیتا ہے۔ جب جلسہ کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ تو ایک وزیر آتا ہے۔ اور مصنوعی بادشاہ سے عرض کرتا ہے۔ کہ لشکر باغی ہو گیا ہے یہ سُن کر اپنا مُنہ کھولتا ہے۔ اور تھوڑی سی ناس اپنی ہتھیلی پر رکھتا ہے۔ پھر ہاتھ پھیلاتا ہے۔ اہل جلسہ اُس کے نزدیک حاضر ہوتے ہیں۔ اور کچھ ناس اُس کی ہتھیلی پر سے اٹھا لیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ حیرت انگیز ڈرامہ ختم ہو جاتا ہے۔

"زبان"

اہل ملک کی زبان میں درشتی اور ثقالت پائی جاتی ہے۔ جو باشندوں کی تند مزاجی کی ایک روشن دلیل بہم پہنچاتی ہے۔ البتّہ قندھار والوں کی زبان اچھی ہوتی ہے۔ اور اس میں تصنیف و تالیف کا لٹریچر بھی موجود ہے جو نظم و نثر

دونوں میں ہے۔

"تاجیک قوم"

افغانستان کی جملہ اقوام میں ایک قوم تاجیک اپنے اشغال اور بعض عادات و خصائل کی بنا پر ممتیز ہے۔ اس قوم کے لوگ ہرات، کابل اور درمیانی دیہات میں آباد ہیں۔ شہر غزنی نواحیات، اور قندھار کے بعض دیہات کے باشندے اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ افغانی ترکستان میں بھی ان لوگوں کی اکثریت ہے یہ لوگ بہت جفاکش اور محنتی ہوتے ہیں۔ نجاری، لوہاری، زراعت، دباغت تجارت اور باغبانی میں کمال رکھتے ہیں۔ کپڑے بننے میں بھی انہیں یدطولیٰ حاصل ہے۔ اس قوم کے جو افراد کوہستان کابل میں بستے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کے جنگجو، خونریز اور مفسدہ پرداز واقع ہوئے ہیں۔ جنگ وجدل اُن کا مرغوب محبوب مشغلہ ہے۔ ہر وقت اسلحہ و آلات حرب سے لیس رہتے ہیں۔ اور ایک گاؤں دوسرے کے خلاف ایک قبیلہ دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا رہتا ہے حتیٰ کہ ایک گھر دوسرے گھر سے برسر پیکار نظر آتا ہے۔ چنانچہ ان کے مکانات قلعہ نما ہوتے ہیں جن پر برج تعمیر کئے گئے ہیں۔ یہ قوم دیگر افغان اقوام سے مزنبھ کمال واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ خانہ داری کے اسلوب، موزونیت لباس و پوشاک اور تنظیم کے لحاظ سے تفوق رکھتے ہیں۔ ان کی گولیوں کے نشانے شاذونادر ہی خطا ہوتے ہیں۔ وہ خاص وضع کے لمبے لمبے خنجر اپنی کمروں میں آویزاں

رکھتے ہیں۔ انہیں تعلیم سے بالکل دلچسپی نہیں۔ اس قوم میں سرداروں کا سلسلہ نہیں ہوتا۔ ان کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ اور سروں پر افغانی عمامہ باندھتے ہیں۔

"ہزارہ قوم"

ہزارہ بھی افغانوں کی ایک قوم کا نام ہے جو پہاڑی باشندے ہیں۔ اور غزنی کے شمال سے ہرات کے شمال تک آباد ہیں۔ ان کی تنگ تنگ آنکھیں داڑھی کے چند بال اور آنکھوں کی پتلیاں مائل بہ سرکبھی تو یہ ظاہر کرتی ہیں۔ کہ ان کی رگوں میں مغل آباد اجداد کا خون دوڑ رہا ہے کبھی اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ یہ قوم چینی اور تاتاری نسل کی یادگار ہے۔ اور کبھی مورخین کو یہ دھوکہ ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ چنگیز خان کی اولاد ہیں۔ اور اس کے لشکر کا بقایا ہیں بعضوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے۔ کہ تین سو سال بیشتر یہ مغلی زبان استعمال کرتے تھے۔ لیکن حقیقت شناس لوگ ہی دیکھ سکتے ہیں۔ کہ ان کی زبان فارسی سے کتنی مشابہ ہے؟ اور مغلی زبان سے اسے دور کا تعلق نہیں۔ ترکمان اور ازبک کے قبائل جو ترکوں کے جگر پالے ہیں۔ ان کے بالکل قریب بستے ہیں مگر ان کی تہذیب پر ان کا ذرہ بھر اثر نہیں ہوا اور صاف معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ یہ لوگ چنگیز خاں کی آمد سے بہت قبل آباد ہیں۔

اس قبیلہ میں حد سے زیادہ بربریت، وحشت، بہیمیت اور خشونت نظر آتی ہے یہ لوگ باتات کو ایک خاص قسم کا بنا لیتے ہیں۔ اور اس سے لباس تیار کرتے ہیں۔ یہ جس طرز پر باتات بناتے ہیں۔ یورپ میں ایسی نہیں بنتی۔ اسے وہ

برک کہتے ہیں۔

سوا جمشیدی قبیلہ کے باقی قوم ہزارہ کے سب لوگ چاکدار قبا زیب تن کرتے ہیں۔ ریشمی قبائیں بھی پہنتے ہیں۔ سرد جاڑے کی رت میں خاص وضع کی ٹوپیاں سر پہ رکھتے ہیں۔ اور عورتیں ہر موسم میں عمامہ سر پہ باندھتی ہیں۔ وہ مردوں کی طرح عبائیں زیب بدن کرتی ہیں ہزارہ قوم میں سے جمشیدیوں کا لباس اپنے ہمسایوں ترکمانوں اور دلیتق سے ملتا جلتا ہے۔ یہ قبیلہ شہسواری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ نشانہ بازی اور شجاعت بھی اس کے خاص اوصاف ہیں اس قبیلے کے افراد بھی لوٹ مار کے عادی ہیں مگر ان کا مذہب شیعہ ہے۔ اس کے علاوہ شیخ علی قبیلہ کے لوگ بھی اہل تشیع ہیں۔ اور قدح صحابہ کو اپنے مذہب کا جزو خاص سمجھتے ہیں۔ اور محرم کے مہینے میں ماتم کرنا اپنا فرض جانتے ہیں اور عاشورہ کے روز زنجیروں سے اپنے سینوں کو خونچکاں کر لیتے ہیں۔ قبیلہ ہزارہ کے لوگ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایک سنی نے اپنی ہزاری لونڈی سے کہا "تم سنی کیوں نہیں ہو جاتی ہو؟" اس نے جواب دیا۔ میرے لئے سنی بن جانے کی نسبت کتا بننا آسان ہے۔"

یہ لوگ اپنے مردوں کو دفن کرتے ہوئے نہایت بدعت بھرے کلمات دہراتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں "جب تمہارے پاس منکر نکیر آئیں۔ تو تم خوف نہ کرنا۔ کیونکہ عنقریب تمہارے پاس مولا علیؑ آئیں گے۔ جو انہیں مار کر بھگا

دیں گے۔"

"ہزارہ قوم کی عادات"

ہزارہ قوم کے لوگ سادات کو نہایت مکرم و معظم خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سادات کا امتیاز یہ ہے۔ کہ جب وہ مجلس میں آتا ہے تو حاضرین کو خود سلام نہیں کرتا بلکہ سب اُسے جھک کر سلام کرتے ہیں۔ پھر وہ عوام کو دشنام سے مخاطب کرتا ہے جس سے اہل مجلس اس کے سادات ہونے سے آگاہ ہو جاتے ہیں، وہ کہتے ہیں۔ کہ سادات سردار ہوتے ہیں۔ اس لئے سردار کا یہی کام ہے۔ کہ وہ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کی تذلیل کرے اور ایسا ہی سلوک کرے۔ ہزارہ قوم کے لوگ نمک بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ملک میں نمک نادر چیز ہے۔ اس قوم کی یہ بھی ایک عادت ہے۔ کہ جب ان کی عورتیں لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ تو فریقین کوئی ایسی اپنی اپنی نائبہ یا قائمقام مقرر کرتی ہے جسے دشنام طرازی میں کمال حاصل ہو۔ چنانچہ اس کے بعد دونوں طرف سے مغلظات بکنے کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایکطرف کا پانسہ ہلکا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مدِّمقابل دشنام دینے میں جدّت کا ثبوت پیش نہیں کر سکتی۔ اور اس کے سرمایہ مغلّظات میں گالیوں کی کمی واقع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہار جاتی ہے۔ اکثر یہ اتفاق بھی ہوتا ہے کہ ایک دن میں فریقین مساوی رہتے ہیں۔ تو یہ قضیہ اگلے دن پر اُٹھا لیا جاتا ہے۔ اور

لڑائی معرض التوارمیں رکھی جاتی ہے۔

(ترکمان اور اوزبک)

افغانستان میں ایسے لوگ بھی رہتے ہیں۔ جو تاتاری نسل کے ہیں۔ اور اب بھی ان کی زبان ترکی ہے یہ لوگ ترکمان اور اوزبک کہلاتے ہیں۔ اوزبک بلخ کے اطراف میں اور ترکمان شہر معینہ اور ہرات کے درمیان آباد ہیں۔ جو سب اہل سنت اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر ہیں۔

اوزبک چنگیزی ہیں۔ اور اپنے آپ کو چنگیز خاں کے ایک پوتے سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ اکثر زراعت پیشہ ہیں۔ اور باغبانی بھی کرتے ہیں انگور کی بیلیں لگاتے۔ اور مویشیوں کو پالتے ہیں ریشمی جُبّے زیب بدن اور چھوٹے چھوٹے عمامے زینت سر کرتے ہیں۔ جن کا شملہ کانوں پر پڑتا ہے انہیں گھوڑے کی سواری اور نیزہ بازی میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ جب ایک شخص دوسرے سے ملتا ہے۔ تو صاحب خانہ پہلے فاتحہ کے لیئے ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ پھر وہ ایک نان نپارہ اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جسے وہ نہایت عزت و احترام سے چوم کر جیب میں رکھ لیتا ہے۔ یہ لوگ چار نوشی کے بہت عادی ہیں۔ اور گھوڑے کا گوشت کھانا اچھا سمجھتے ہیں۔ ان میں علما بھی ہوتے ہیں۔

"ترکمان"

ترکمان باناتی جُبّے زیب تن کرتے ہیں۔ اور سروں پر پوستین کی ٹوپیاں

پہنتے ہیں۔ یہ نہایت عرق ریزی سے گھوڑوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اُن کے گھوڑے عربی نسل کے ہیں۔ جو نادر شاہ نے نجد سے منگوائے تھے۔ یہ لوگ نہایت ظالم اور فتنہ پرداز و شر پسند واقع ہوئے ہیں۔ اطراف ایران یا نواح ہرات سے شیعہ عورتوں اور مردوں کو پکڑ لاتے ہیں۔ اور انہیں بخارا وغیرہ کے تقویٰ شعار سُنیوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ شیعہ مرتد ہیں۔ اور اسلام سے خارج ہیں اس لئے اُن کی خرید و فروخت مستحب ہے۔

اکثر اوقات یہ سُنیوں کو بھی گرفتار کر لیتے ہیں۔ اور انہیں داغ لگاتے اور کوڑے مارتے ہیں۔ تاکہ وہ خریداروں کے سامنے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کریں۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے ایک سُنّی صاحبِ علم کو مقیّد کیا اور اور اس خیال سے کہ مبادا وہ بھاگ جائے اُسے پا بہ زنجیر کر دیا۔ لیکن نماز کے اوقات میں اُسے آزاد کر دیا جاتا تھا۔ جب اُس نے کہا۔ کہ میں تو سُنّی ہوں۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ تم قرآن شریف سے زیادہ افضل نہیں لوگ قرآن کا ہدیہ کرنا بھی تو جائز خیال کرتے ہیں۔ ہم فروخت کرنے کی بجائے تمہیں ہدیتاً دیں گے۔ تمہارا ہدیہ جائز ہے اور بیع ناجائز۔ یہ کس قدر پُرحیلہ جواب تھا۔

؎ جو چاہے آپ کی حُسنِ کرشمہ ساز کرے

"سادات"

افغانستان میں ایک جماعت سادات کی بھی ہے۔ جو حضرت علیؓ کی اولاد

کہلاتی ہے۔ اسے سید کہتے ہیں۔ اس جماعت کے بعض افراد قندہار کے قریب بمقام تنگ آباد ہیں۔ اور کچھ جلال آباد کے نزدیک کنٹر میں بستے ہیں۔ ان لوگوں میں علماء و فضلا ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اہل افغانستان ان کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کے اطوار، عادات اور اخلاق افغانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔"

"قزلباش"

یہ لوگ ایرانی الاصل ہیں۔ اور سلاطین صفویہ کی افواج کے سپاہی تھے۔ یہ شاہی حکم سے اپنے عمامے سُرخ فام پہنتے تھے۔ قزلباش ترکی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں سرخ سر والا انہیں یہ سُرخ عماموں کی نسبت ہی سے لقب ملا ہوا تھا۔ نادر شاہ انہیں اپنے ہمراہ فوج میں افغانستان سے لایا تھا چنانچہ یہ لوگ زیادہ تر کابل میں آباد ہیں۔ غزنی اور قندھار میں بھی ہیں۔ یہ امور سلطنت میں بڑے ذہین و فہیم ہوتے ہیں۔ چنانچہ افغانستان کے امور دفاتر میں اُن کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ افغانی امراء اپنی اولاد کو ان کے پاس تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیج دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ان کو شعر و ادب سے بہرہ اندوز کرتے ہیں۔ یہ عموماً شیعہ مذہب کے پرستار ہوتے ہیں۔ اور محرم کے عشرہ اوّل میں حضرت حسینؓ کا ماتم کرتے ہیں۔

"بلوچی"

"قندھار" کے جنوب میں یہ لوگ بستے ہیں۔ اور ایرانی النسل ہیں یہ اپنے بالوں کو بڑھاتے ہیں۔

سر میں تیل ڈالتے اور پاؤں میں چپل پہنتے ہیں۔ اور تلواروں کے پرتلے اپنے کاندھوں پر رکھتے ہیں، یہ لوگ چوری، رہزنی اور لوٹ مار میں بہت مشّاق ہوتے ہیں قتل و غارت میں شہرت رکھتے ہیں۔ جہاں ان میں ایسی قبائح موجود ہیں وہاں انہیں سخاوت و کرم میں بھی بہت ناموری حاصل ہے۔ ان کو اسلام سے کچھ واقفیت نہیں۔ اُن کا اسلام خدا و رسول کے نام کو جاننے تک محدود ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے رسول کریمؐ کی بکریاں نہیں چرائی تھیں۔ ہمارے امیر نے الیہ یاکیا تھا۔ اس لئے اُسے تیس دن بھوکا رہنے کی سزا ملی تھی۔ اگر ہم نے چرائی ہوتیں۔ تو ہم روزہ رکھتے اسی طرح جب نماز کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ کہ تم نماز پڑھتے ہو؟ تو کہتے ہیں۔ کہ ہمارا امیر پڑھتا ہے"۔ جب ایک بلوچی کسی دوسرے بلوچی سے ملاقات کرتا ہے تو کئی مرتبہ سلام کرتا ہے۔ اس طرح کافی تضیع اوقات ہوتی ہے۔ اس کے بعد سلام کو ان الفاظ میں ختم کرتا ہے۔ کہ "میں حسب المقدور تمہیں ہر چیز دینے کو تیار ہوں۔"

یہ قوم نہایت بے رحم، سخت سنگدل اور جاہل ہے۔ اس قوم کے ایک قبیلہ کا نام سری ہے۔ جو قافلہ والوں کو لوٹ لیتا ہے اور اُسے نہایت

بے ہمیت سے تلوار کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ کیونکہ اس قبیلہ والے سمجھتے ہیں کہ جب تک مال کا مالک زندہ ہے۔ مال کا استعمال جائز نہیں کر سکتا۔

"ہندو"

جو لوگ افغانوں کو بدنام کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ غیر مذاہب کے پیروؤں کو اپنے ملک میں رہنے نہیں دیتے۔ اور انہیں اپنے مذہب کی رسوم ادا کرنے سے روکتے ہیں۔ شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ کابل میں بہت سے ہندو بھی آباد ہیں۔ ان کے معابد بھی موجود ہیں جنہیں وہ لوگ دہرم سال کہتے ہیں۔ شہر کے باہر ان کا مرگھٹ بھی ہے۔ جہاں یہ اپنے مردوں کو لے جا کر جلاتے ہیں۔ اور ان کی راکھ حفاظت سے اپنے پاس رکھ چھوڑتے ہیں جب گنگا نہ بھیج دیتے ہیں۔

-

طرزِ حکومت

افغانستان کی حکومت شخصی ہے۔ مگر بعض اہم معاملات میں رُوسائے قبائل پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بھی منعقد کر لی جاتی ہے۔ جس کے صلاح و مشورہ سے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

ارکان۔

۱۔ امیر۔ جو تمام سلطنت کا حکمراں ہوتا ہے۔

۲۔ وزیر۔ جو صدارتِ عظمیٰ کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

۳۔ مستوفی الممالک:۔ یہ بطور فائنینس منسٹر (وزیر مالیہ) اور وزیر داخلہ ہوتا ہے۔

۴۔ خازندار:۔ سرکاری خزانے کی حفاظت کرنا اس کی ذمّہ داریوں میں شامل ہے۔

۵۔ ایشک آغاسی باشی۔ اس کے سامنے مستغیث اپنی عرضی پیش کرتا ہے امیر سلطنت کے حکم سے فریقین کے مابین جملہ قضایا فیصل ہوتے ہیں۔

۶۔ والی۔ یہ شاہی خاندان کے افراد ہوتے ہیں۔ جو بمنزلہ گورنر کے ہوتے ہیں۔ اور ملک کے صوبوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔

۷۔ فوجی افسر۔ یہ لوگ لشکر کے قاید (سپہ سالار) ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات شاہی خاندان کے افراد ہی مقرر کئے جاتے ہیں۔

۸ کوتوال - یہ پولیس کے فرائض ادا کرتے ہیں۔

۹ ماموریں۔

۱۰ محاصل وصول کرنے والے

علاوہ ازیں ہر شہر میں سرکاری محاصل وصول کرنے پر ایک نائب متوفی متعین ہوتا ہے۔ امیر اور بادشاہوں کی طرح مکلف تخت پر نہیں بیٹھتا۔ وہ اس لحاظ سے مشرقی بادشاہوں سے متمیز ہوتا ہے۔ بلکہ وہ دیوانِ حکومت میں اپنے اراکین وعمائدین سلطنت کیساتھ ایک ایرانی قالین پر بیٹھتا ہے۔ اور اُس کے پاس صرف ایک تکیہ ہوتا ہے۔ جو اس کی امارت کو نمایاں کرتا ہے مشرقی بادشاہوں کی طرح حاجب اور دربان کسی شخص کو اس کے پاس جانے سے نہیں روکتے بلکہ ادنیٰ سے اعلیٰ ہر شخص اس کے دربار میں باریاب ہونے کا مشرف حاصل کرسکتا ہے۔ رعایا کا ہر فرد امیر کے حضور حاضر ہو کر اپنی شکایات کا اظہار کرسکتا ہے۔ اور نہایت بے تکلفی و آزادی سے بول سکتا ہے۔ صوبوں کے والیوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔

امیر کے سامنے بہت سے خدمتگار اور خنجروں سے مسلح سپاہی ایستادہ رہتے ہیں۔ اور شاہی احکام کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ کبھی فینس میں بیٹھتا ہے۔ اور کبھی ہاتھی پر سوار ہو کر گزرتا ہے۔

دیوان میں امیر کے ساتھ سلطنت کا خان ، رچیف جسٹس بھی نشست

ہوتی ہے جو شرعی مقدمات و قضایا فیصل کرتا ہے۔ اسی طرح صوبائی نظام بھی چلتا ہے۔

"قانون"

افغانستان میں حکومت کا کوئی مقررہ قانون نافذ نہیں۔ بلکہ جرم و سزا کے لئے امیر کی رائے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح صوبائی نظام بھی ہے اور اس طرز سلطنت سے ناانصافی اور ظلم پیدا ہوتے ہیں۔ ملک میں اعضا کاٹنے کی سزائیں بہت کم دی جاتی ہیں۔

امیر سیاسی جرائم کے مرتکب ہونے والے اشخاص کو اعلانیہ موت کے گھاٹ اتارنے میں مجتنب ہی رہتا ہے۔ لیکن اگر روسا رقبائل کسی ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہوں۔ تو ان کے اتفاق آرا سے اُسے اعلانیہ بھی قتل کر دیا جاتا ہے۔

امیر اپنے خاندان کے افراد کو کسی سیاسی مصلحت کے پیش نظر یا تو قتل کر دیتا ہے یا اُن کی آنکھیں نکال دیتا ہے۔ یا قید کر دیتا ہے۔ جب وہ اپنے وزیر پر ناراض ہوتا ہے۔ تو اس کا مال ضبط کر لیتا ہے۔ اور صوبوں کے والی بھی امیر ہی کی تقلید کرتے ہیں۔

"خزانہ کی ملکیت"

امیر ہی خزانہ کا ہر طرح کا حقدار ہوتا ہے۔ اور اُسے اپنے مصرف میں

استعمال کرنے میں کوئی قانون مانع نہیں۔

"راستوں کی محافظت"

افغانی سلطنت میں کسی اصلاحی قانون کے فقدان کی وجہ سے راستے اور سڑکیں خطرے سے خالی نہیں ہیں۔ شاہراہوں اور سڑکوں پر ڈاکو اور لٹیرے قافلوں کی گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور حکومت اس طرف اپنی توجہ مبذول نہیں کرتی۔ جب کوئی قافلہ ایک سے دوسرے شہر کا عزم کرتا ہے تو جب تک اس کے ساتھ دوسو مسلّح سپاہی نہ ہوں۔ وہ نہیں جا سکتا۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ جمعیت کسی شہر پر دھاوا بولنے کے لئے روانہ ہو رہی ہے بعض افغانی شہروں میں محتسب مقرر ہوتے ہیں۔

"فوجی خدمات"

افغان گورنمنٹ بمنزلہ ایک فوجی گورنمنٹ کے ہے یعنی حکومت کا ہر عہدہ دار خواہ ادنیٰ ہو خواہ اعلیٰ فوج خدمات سے مستثنیٰ اقرار نہیں دیا گیا۔ رجسٹروں میں اُن کے نام درج ہیں۔ اور بلحاظِ مراتب مناسب ہر شخص کے ذمہ فوجی سپاہیوں کی ایک مقررہ تعداد جنگ میں بھیجتا ہے۔ اور رعایا کے لئے لازمی ہے کہ وہ فوجی خدمت کے وقت میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار رہے۔ چنانچہ اس کے لئے کسی میعاد کا تعین نہیں کیا گیا۔ جب سپاہی میدان کارزار میں ہو۔ تو اُس کی تنخواہ چھ روپے ماہوار ہے۔

بوقتِ ضرورت حکومت دیہات و قصبات سے بلحاظ آبادی سوار اور پیدل مہیا کر سکتی ہے۔ اور حکومت ہی ان دنوں میں ان کے مصارف کی کفالت کرتی ہے یہ سوار اکثر جمشیدی اور اوزبک افراد پر مشتمل ہوتے ہیں۔

"امارت"

افغانستان کی امارت موروثی کہلاتی ہے۔ لیکن امیر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بڑے لڑکے ہی کو اپنا جانشین مقرر کرے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنی سلطنت کا ولیعہد مقرر کرتا ہے۔ اکثر چھوٹے لڑکے کو اپنا وارث مقرر کر دیتا ہے۔ مگر یہ رواج بہت فتنہ افروز ہے کیونکہ امیر جس لڑکے کو اپنا ولی عہد مقرر کرتا ہے۔ اس کے جملہ بھائی بھی حصولِ حکومت کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ اور علمِ بغاوت بلند کر دیتے ہیں۔

"محاصل"

افغانستان کے صوبوں اور شہروں میں محاصل دو قسم کے ہیں۔ ایک سرکاری محصول وہ ہے جو اصحاب زراعت، مالکانِ باغات اور مویشی پالنے والوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ اور یہ قسم بمنزلہ شرعی زکات کے سمجھی جاتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو قوم غلجی کے افراد سے پندرہ سال کی عمر کے بعد سالانہ ایک روپیہ کی صورت میں وصول ہوتی ہے۔ اور یہ ٹیکس تذلیل کے لئے لگایا گیا ہے۔ آمدنی کا ایک ذریعہ مجرموں سے وصول شدہ جرمانے بھی ہیں۔ نیز

چنگی کا محصول بھی حکومت کی انکم کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں کوہستانی قبائل کی آئے دن کی بغاوتوں کے باعث ان سے محصول وصول کرنے میں انتہائی دشواریاں درپیش ہیں۔ اس لئے فوجی طاقت کے بعد وہ قبائل محصول ادا نہیں کرتے۔ اور اس وجہ سے حکومت افغانستان کی آمدنی کا صحیح اندازہ لگانا بھی ایک مشکل امر ہے۔ افغانستان کی زبان سرکاری فارسی ہے۔

"عیدین"

شاہی خاندان کا یہ دیرینہ رواج چلا آتا ہے۔ کہ عیدین کی تقاریب پر امیر سوار ہو کر نہایت تزک و احتشام سے شہر کے باہر روانہ ہوتا ہے۔ اور نماز ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد توپیں اور بندوقیں دھنا دھن چلتی ہیں۔ پھر امیر گھوڑ دوڑ میں حصہ لیتا ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد محل میں ایک عالیشان دستر خوان بچھایا جاتا ہے۔ اور لوگ امیر کو مبارکباد دینے کے لئے جوق در جوق آتے ہیں۔

"دیگر کوائف"

"آب و ہوا"

افغانستان کا ملک پہاڑوں اور وادیوں کے باعث مختلف بلا دو امصار سے وابستہ ہے۔ یعنی بعض جگہ پہاڑیوں کی وجہ سے زمین اونچی اور بلند ہے اور بعض جگہ وادیوں کے باعث زمین فراز میں واقع ہے۔ اس لئے یہ نشیب و فراز مختلف آب و ہوا کی تخلیق کرتے ہیں۔ اور موسموں اور فصلوں کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔ لیکن بہر حال افغانستان کی آب و ہوا نہایت صحت بخش ہے

"مکانات"

افغانستان کے دیہات اور قصبات میں مکانوں کی تعمیر اینٹوں سے ہوتی ہے جو مکان نہایت سادہ ہوتے ہیں۔ اور زیب و زینت سے معرا۔ مگر شہر کابل کے مکانات پر تکلف اور آراستہ ہوتے ہیں۔ اور ان میں نہریں، باغیچے اور حوض بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔

"سڑکیں اور گلیاں"

افغانستان کی سڑکیں اور گلیاں تنگ اور پیچدار ہیں لیکن اس کے برعکس قندہار کی فراخ اور کشادہ ہیں۔ اس ملک میں بے شمار اعلیٰ نمونے

کی عمارات، اور مساجد تھیں جو پے در پے حملوں اور شب و روز کی معرکہ آرائی کے باعث مسمار و منہدم ہو چکی ہیں۔ اور اس وقت جو موجود ہیں۔ وہ مستحکم ہیں نہ اتنی مزین ہیں۔ شہروں اور قصبوں کے گرد فصیلیں تعمیر کی گئی ہیں۔ جن میں قدیم وضع کے برج بنے ہوئے ہیں۔ جو سواروں کے حملہ کی تو مدافعت بخوبی کر سکتے ہیں۔ مگر توپوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔

ہرات اور کابل کے شہر بہت مستحکم ہیں۔ ہرات کے گرد مٹی کی بنی ہوئی شہر پناہ ہے۔ جو توپوں کا مقابلہ بھی کر سکتی ہے۔ اور اس پہ گولے اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ کابل کا شہر پہاڑوں کی فصیل میں گھرا ہوا ہے۔ جن پہ برج تعمیر ہیں اور استحکامات بنے ہوئے ہیں۔ جن سے مدت تک حملہ آور کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے

"سرزمینِ افغانستان"

افغانستان کی تمام زمین قابلِ کاشت ہے۔ مگر اہلِ ملک کی فتنہ پردازیوں کے طفیل بہت سی زمین بنجر اور غیر مزروعہ پڑی ہوئی ہے۔ زمینیں نہروں اور دریاؤں سے سیراب ہوتی ہیں۔

مگر لوگ کاشتکاری کی طرف کچھ زیادہ ملتفت نہیں ہوتے۔ نہ ہی وہ نہروں کے بنانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ جو، گندم جوار، مکئی، لوبیا، چنا اور ترکاریاں وغیرہ اتنی کاشت کر لیتے ہیں۔ جو ان کی ضروریات کی کفالت کر سکتی ہیں۔

لوگ باغبانی کی طرف بھی بہت راغب ہیں۔ اور پھلوں میووں کے درخت لگاتے ہیں۔

لوگ صنعت و حرفت کی طرف زیادہ میلان نہیں رکھتے۔ اور صنعت پیشہ لوگ اپنی صنائع کو فروغ دینے کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں کرتے۔ بلکہ وراثت میں جو کچھ ملا ہے۔ اسی پر قانع نظر آتے ہیں۔ پوستین، پٹّو اور ریشمی کپڑے بھی بنائے جاتے ہیں۔ رنگین فرش اور بانات کی برک ہرات کے خاص تحفے ہیں کابل اور قندھار میں توپ بندوق اور تلواریں بنانے کے کارخانے ہیں۔ جو وسیع پیمانے پر جاری ہیں۔

افغانستان کے تجارتی تعلقات ہندوستان بخارا اور ایران سے وابستہ ہیں افغانستان میں بہت سی دھاتوں کی کانیں ہیں۔ مگر حکومت ان کی دریافت میں تساہل برتتی ہے۔ اور ان سے متمتع ہونیکا سلیقہ نہیں رکھتی۔ قندھار میں سونے کی، خوست و کرم میں لوہے کی کابل میں یاقوت کی اور بدخشاں میں لوہے گندک، یاقوت، اور لاجورد وغیرہ کی کانیں ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کانیں موجود ہیں، مگر حکومت کی غفلت اور تساہل کے باعث سب بے سود اور بیکار ہیں

ضمیمہ

نقیدالشرق علامہ سید جمال الدین افغانی نے امیر شیر علی خان تک حالات رقم فرمائے ہیں جنہیں ہم نے عربی سے اُردو میں منتقل کیا ہے حضرت علامہ مرحوم و مغفور نے جس انداز سے اپنے وطن کے سیاسی و معاشرتی اور خارجی حالات قلم بند فرمائے ہیں۔ وہ انہیں کے علم و فضل اور تبحر علمی کا حصہ ہے۔ آپ گذشتہ صدی کی ایک محیر العقول ہستی تھے جنہوں نے تمام دنیا میں بالعموم اور تمام عالم مشرق میں بالخصوص ایک زبردست انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اور آج مشرقی دنیا انہیں کے خیالات اور لٹریچر کی روشنی میں انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی ہے۔ آپ عالم اسلامی کو ایک سلک اخوت میں پرونے کا پروگرام لے کر میدان عمل میں آگئے تھے۔ اور اپنے اس مشن کی تبلیغ و اشاعت میں کبھی تو حکومتوں نے انہیں جلاوطن کر دیا کبھی قید کیا اور کبھی نظر بند کر دیا لیکن اُس وقت دنیا نے جو نہیں سمجھا تھا۔ وہ آج محسوس کرنے پر مجبور ہو رہی ہے۔

آپ اپنے وطن (افغانستان) کی پسماندہ حالت پر خون کے آنسو روتے تھے اور اپنے ملی بھائیوں کی جہالت و بربریت پر کڑھتے رہتے تھے۔ آپ پہلے شخص تھے جو افغانستان کو جدید اصلاحات سے بہرہ اندوز ہونے کے متمنی تھے۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ ان کی آرزوئیں پوری ہو کر رہیں۔ اور انہوں نے جو خوش آیند

خواب دیکھے تھے۔ وہ تعبیر آشنا ثابت ہوئے یعنی رفتہ رفتہ افغانستان کو بھی اصلاحات سے روشناس کیا گیا۔ اور ممالکِ اسلامی بھی ایک لڑی کے موتی بنے۔

ہم امیر شیر علی خان کے بعد کے حالات بھی مختصراً تحریر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ قارئین زمانہ ماضی کو ازمنہ جدیدہ کی روشنی میں دیکھ سکیں۔ کیونکہ ماضی سے حال اور حال سے مستقبل وابستہ ہوتا ہے۔

"امیر یعقوب خان"

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب امیر شیر علی خان نے روسی سفارت کو خوش آمدید کہا تو ہندوستان کی انگریزی حکومت کے دل میں امیر کے متعلق کئی قسم کے شکوک پیدا ہو گئے چنانچہ اُس نے بھی اپنی سفارت ایک ہزار سواروں کے ساتھ کابل میں بھیجنے کا اہتمام کیا۔ لیکن امیر نے اُسے آنے سے روک دیا۔ اس پر انگریز سخت مشتعل ہوئے اور انہوں نے لشکر مرتب کر کے افغانستان پر چڑھائی کر دی۔ چونکہ اس وقت افغان باہمی فتنہ و فساد سے پراگندہ تھے۔ اور ان کا ملی شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اس لئے وہ انگریزی افواج کی مدافعت کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور انگریزی فوجیں بلا مزاحمت افغانستان میں بڑھتی گئیں۔ جب امیر نے یہ صورتِ حالات دیکھی۔ تو بے بس ہو کر بخارا کی طرف چل دیا۔ اور اس کے دل پر اس کا اتنا صدمہ ہوا کہ وہ اس کے تاثرات کے باعث جانبر نہ ہو سکا چنانچہ بلخ میں خناق کا مریض ہو کر راہی ملکِ عدم ہوا۔

امیر شیر علیخان نے پہلے یعقوب خان کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا لیکن بعد میں اسے

معزول کر کے اس کے بھائی عبداللہ خان کو اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ مگر وہ باپ کی زندگی ہی میں انتقال کر گیا تھا۔ اس لئے باپ کے مرنے کے بعد یعقوب خان ہی تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ اس نے مئی ۱۸۷۹ء میں انگریزوں سے ایک ذلت آمیز معاہدہ کیا جس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ کابل میں سلطنت برطانیہ کا مقرر کردہ سفیر ہندوستان کی بجائے انگریز ہو گا۔ اس کی محافظت کیلئے ایک انگریزی فوج بھی پایہ تخت میں رہے گی

امیر نے بامر مجبوری اس معاہدہ پر منظوری کی مہر ثبت کی۔ لیکن افغان جیسی غیور اور آزاد فطرت قوم یہ کب برداشت کر سکتی تھی؟ چنانچہ جب انہیں معلوم ہوا کہ وطن غیر مسلم طاقت کا محکوم ہو رہا ہے۔ تو ان کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ اور ایک دن انہوں نے شرط غیظ میں انگریزی سفارت خانے کا مکمل محاصرہ کر کے سفیر انگریزی کو قتل کر دیا۔ اور اس کے ہمراہیوں کو بھی تلوار کے گھاٹ اتار ڈالا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع انگریزوں کو موصول ہوئی تو انہوں نے ایک لشکر جرار کابل پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ لشکر کے پہنچنے پر انگریزوں نے اعلان کیا کہ آئندہ افغانستان کا ملک انگریزوں کے قبضے میں رہے گا۔ اور انگریزی عملداری میں شمار ہو گا نیز جنرل سیل اس کے حکمران ہوں گے۔

اس اعلان کے بعد انگریزوں نے امیر کو معزول کر دیا۔ اور اپنے ساتھ ہندوستان میں بمقام ڈیرہ دون لے آئے۔ کیونکہ انگریزوں کا شبہ تھا۔ کہ سفیر کے قتل میں امیر کا ہاتھ بھی ہے۔ اب وہ خود بھی افغانستان میں رہتے ہوئے اپنی جان کو

خطرے میں محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ عام افغانی بھی اُن سے ناراض تھے اور اُن کے دب کر صلح کرنے کو بے عزتی پر محمول کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی مصلحت بھی اس امر کی متقاضی تھی۔ کہ وہ ہندوستان ہی میں چلے آئیں۔

"انگریزوں کی حکومت"

افغانستان کی مختصر حدود میں انگریزوں کی حکومت قائم تھی۔ ورنہ افغانی اضلاع اور صوبے تمام تر آزاد تھے۔ اور ان میں استخلاصِ وطن کی ایک زبردست تحریک شروع ہو چکی تھی۔ اور افغان اپنے ملک کو آزاد کرانے میں سر دھڑ کی بازی لگا چکے تھے۔

ع بسر بدہ از کف مدہ ناموس

چنانچہ کرنل جان محمد خان غازی نے تمام رؤساء کے اتفاق رائے سے امیر شیر علی خان کے سالے موسیٰ خان کو امارت پیش کی علماء نے جہاد کے اعلانات شائع کئے چند خونریز معرکوں کے بعد انگریزوں نے افغانوں سے شکست کھائی۔ اور وہ ایک مرکز پر مجتمع ہو گئے۔

اس جہاد میں ہزاروں افغانی کام آئے۔ جو شمعِ آزادی پر پروانہ وار قربان ہو گئے اور انگریزوں کی کثیر تعداد بھی کیفر کردار کو پہنچی جس میں بھاڑے کے ٹٹو ہندوستانی مسلمان اور ہندو سپاہی بھی شریک تھے۔

"امیر عبدالرحمٰن خان"

جب افغانوں نے انگریزوں کو ایک جگہ محصور کر رکھا تھا۔ تو اس حالت

میں افغانی رؤسا و اُمراء نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں باہم مشورہ کیا گیا۔ کہ انگریزوں کے خلاف جنگ جاری رکھی جائے۔ یا روک دی جائے۔ بعض نے جنگ کے جاری رکھے جانے پر اصرار کیا۔ اور بعض ارباب تدبیر نے مشورہ دیا۔ کہ جنگ کو جاری رکھے جانے کی حالت میں ہندوستان سے انگریزوں کی تازہ دم فوجیں آنا شروع ہو جائیں گی۔ ابھی ملک کا شیرازہ منتشر ہے۔ اور اہل ملک جنگ و جدال سے تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس لئے جنگ کو ملتوی کر کے انگریزوں سے صلح کر لینا ہی موزوں ہے۔ مگر اس سے پہلے اپنے کسی امیر کا انتخاب عمل میں لایا جانا لازمی ہے۔ جو امیر شیر علی خاں کے خاندان میں سے نہ ہو۔ چنانچہ سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا۔ اور عبدالرحمن خان کو امارت پیش کی گئی۔ جو اس وقت بخارا میں مقیم تھے۔ اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ وہ دوبارہ مسندِ امارت پر بیٹھیں گے۔ جب قاصد یہ مژدہ لے کر پہنچا۔ تو آپ ششدر رہ گئے۔ چنانچہ وہ آ گئے۔ اور بمقام چاریکار ایک مسجد میں سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس کے بعد مجوزہ امور پر انگریزوں سے صلح کی گئی۔ اور یہ قرار پایا۔ کہ مملکتِ افغانستان میں انگریزی جمعیت نہیں رہے گی۔ اور سلطنت کی حدود بطور سابق قائم رہیں گی۔

"امیر عبدالرحمن خان کا عہدِ حکومت"

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ امیر کو خود انگریزوں نے مسندِ امارت پر بٹھا دیا تھا۔ لیکن یہ قطعی غلط ہے۔ کیونکہ امیر ہمیشہ سے روسیوں کے پاس رہے تھے۔ اور حکومتِ

روس کی طرف سے انہیں ایک گرانقدر وظیفہ بھی ملتا تھا۔ جو شخص عرصہ تک روس میں مقیم رہا ہو۔ انگریز اس کی امارت گوارا کر سکتے تھے؟

امیر ایک سیاسی دل و دماغ لے کر دنیا میں آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے مسند امارت پر متمکن ہوتے ہی ملکی اصلاحات کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اور جہاں ملک میں فتنہ و فساد کی گرم بازاری تھی۔ لوگ لوٹ مار کے خوگر ہو گئے تھے قتل و غارت ایک معمولی مشغلہ سمجھتے تھے۔ وہاں ملک کے گلزار میں امن و امان کی نسیم اٹھلانے لگی۔ اور باشندے سکون و طمانیت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ آپ نے افغانوں کو ایک نظام کے ماتحت زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔ جو علماء آپ کے خلاف تھے۔ ان سے سرزمین افغانستان کو پاک کیا۔

ہر چند کہ آپ اتنے زیادہ تعلیمیافتہ نہیں تھے تاہم آپ کی عالی دماغی اور حسن تدبر نے ملک کو نمونہ ارم بنا دیا۔ اور ملک کی علمی صنعتی اور اقتصادی ترقی کی طرف ہمہ تن ملتفت رہے۔ ملک میں صنعت و حرفت کے نئے کارخانے جاری کئے مدارس اور اسکول مقرر کئے۔ اور اپنے وطن کو کسی حد تک اجنبی ممالک کی احتیاج سے آزاد کر دیا۔ وہ انگریزوں اور روسیوں کی سیاسی اور شاطرانہ چالوں کو بخوبی سمجھتے تھے آپ نے ملک کو دفتر امور مذہبی، محکمہ تجارت، دفتر مالگذاری، محکمہ ترسیل، عدالت ہائے دیوانی و فوجداری، دفتر صدر محاسب، دفتر تعمیرات عامہ، طبابت اور معدنیات وغیرہ جدید شعبہ جات سے مزین کیا۔

"وفات"

امیر عبدالرحمٰن خان نے ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۱۹ھ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ آپ ۲۱ سال ۱۰ ماہ مسندِ امارت پر متمکن رہے اور ۵۸ سال کی عمر پائی۔

"امیر حبیب اللہ خاں"

امیر عبدالرحمٰن خاں کے انتقال کے بعد ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۱۹ھ کو امیر حبیب اللہ خان باپ کی جگہ گدی نشین ہوا۔ اُسوقت آپ کی عمر ۲۹ سال تھی۔ باپ کے نقش قدم پر چل کر بہت سی ملکی و فوجی اصلاحات میں اضافہ کیا۔ اور اشاعتِ تعلیم اور صنعت و حرفت کے فروغ میں سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔

امیر ۱۹۰۷ء میں ہندوستان کی سیاحت کیلئے آیا۔ اور یہاں کے مشہور اور تاریخی مقامات کی سیر کی۔ وائسرائے سے ملاقاتیں کیں۔ ہندوستانی رؤسا سے ملے جُلے۔ ہندوؤں کے مقاماتِ مقدسہ کی بھی سیر کی۔ اسکولوں، مدرسوں اور قومی انجمنوں کو اپنے گرانقدر عطیوں سے نوازا۔

جب وہ مراجعت فرمائے وطن ہوا۔ تو ملک کی ایک قدامت پسند پارٹی نے اس کی مخالفت کی۔ اور اُس کی سیاحتِ ہند کو مشتبہ نظروں سے دیکھا۔ یہ پارٹی اُن مسلمانوں کی تھی۔ جو غیر مسلموں کے ساتھ اختلاط و ارتباط کو نامناسب سمجھتے ہیں بالخصوص افرنگیوں سے دُور دُور رہنے ہی میں ملک و قوم کی فلاح کا راز مضمر پاتے ہیں۔

اس جماعت کو امیر کا طرزِ عمل ایک آنکھ نہ بھایا۔ کیونکہ امیر انگریزوں سے صلح رکھنے کا متمنی تھا۔ اور اُن کی مخالف طاقتوں سے الگ ہی رہنے میں اپنی بقا کا راز سمجھتا تھا۔ چنانچہ یہ پارٹی روز بروز قوی ہوتی گئی۔ اسی اثنا میں امیر کے پاس ترکی سے سفیر آیا۔ مگر اُس نے اُسے نا زیبا تصور کیا۔ آخر ۱۹ فروری ۱۹۱۹ء کی رات کو کسی شخص نے اُسے گولی کا نشانہ بنا دیا۔

ع ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

"امیر امان اللہ خان غازی"

امیر حبیب اللہ خان کے بعد اُن کے فرزند دوم امیر امان اللہ خاں تختِ حکومت پر متمکن ہوئے آپ کی امارت سے پہلے آپ کے آبا انگریزی سلطنت کے وظیفہ کے مرہونِ منت تھے۔ یہ وظیفہ اس لئے دیا جاتا تھا۔ کہ افغان روسیوں کا اقتدار قائم نہ ہونے دیں۔ اور ہندوستان کی انگریزی حکومت روسی حملے سے محفوظ رہے۔ مگر آپ نے تخت نشین ہوتے ہی یہ وظیفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنی اندرونی اور خارجہ پالیسی میں بالکل آزادی حاصل کر لی۔ اور بالکل خود مختار ہو کر حکومت کرنے لگے چنانچہ امیر صاحب نے مختلف مملکتوں کے ساتھ تجارتی و سیاسی معاہدے کئے۔ اپنے سفیر متعدد سلطنتوں میں بھیجے۔ انھوں نے بھی اپنے سفرا ان کے دربار میں ارسال کئے سلطنتِ ترکی کیساتھ بھی مملکتِ افغانستان کے تعلقات نہایت

خوشگوار ہے۔

امیر موصوف کی یہ پالیسی انگریزوں کی نظر میں کھٹکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کئی بار افغانستان پر فوج کشی کی۔ اور منہ کی کھائی۔ آخر جب انگریزوں نے دیکھا کہ افغان اب اصلاح یافتہ ہو چکے ہیں۔ اور اب انہیں دامِ فریب میں گرفتار کرنا آسان کام نہیں۔ تو شکست کھا کر ایک معاہدہ کی رو سے سلطنتِ افغانستان کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد امیر نے سیاحتِ یورپ کا عزم کیا۔ چنانچہ مختلف متمدن ممالک کا بغور معائنہ کیا۔ اقوامِ یورپ کی صنعتی ترقی کو ملاحظہ کیا۔ اور وہاں کے کارخانوں کو دیکھا۔ تو انہیں اپنے ملک کو بھی دنیا کے مہذب ممالک کے دوش بدوش کھڑا کرنے کی آرزو دامنگیر ہوئی۔ کیونکہ اسوقت تک افغانستان پہلے کی نسبت کافی ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ لیکن دنیا کے متمدن اور جدید ممالک کے مقابلہ میں ابھی بہت پسماندہ تھا۔ سیاحتِ یورپ میں ان کے ہمراہ ان کی رفیقۂ حیات ملکہ ثریا بھی تھی۔

جب امیر موصوف یورپ کے سفر سے اپنے وطن کو لوٹے۔ تو انہوں نے ملک میں اپنے خلاف ایک غالب عنصر پایا۔ چونکہ افغان پیر پرست ہوتے ہیں۔ اور پیروں اور علماء ہی کے ہاتھ میں عوام کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ اس لئے یہ طبقہ امیر کے سفرِ یورپ، ملکہ کی رفاقت اور جدید اصلاحات کے نفاذ کو شرع کے خلاف سمجھتا تھا کیونکہ افغان انتہائی طور پر قدامت پسند واقع ہوئے ہیں اور یہی چیز ان کی ترقی کے راستے میں سنگِ گراں ہے۔ چنانچہ انگریزوں نے اس صورتِ حالات

سے فائدہ اٹھایا۔ اور حسبِ عادت امیر کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا کہ وہ لا مذہب ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی افواہوں سے کام لیا گیا۔ اور ملک کے قدامت پرست طبقہ کو اپنا آلۂ کار بنا لیا۔ کیونکہ انگریز امیر کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنی حکومت کے لئے خطرۂ عظیم تصور کرتے تھے۔

"بچہ سقہ"

بچہ سقہ جو ایک سقے کا لڑکا تھا۔ اور ڈاکوؤں کے ایک طاقتور گروہ کا سردار تھا۔ کابل کی شاہی فوجوں سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ امیر کی فوجیں بہادری سے لڑیں مگر چونکہ جاہل عوام کو بھی اُسکے خلاف برگشتہ کر دیا گیا تھا۔ اس لئے مزید مقابلہ کی نوبت ہی نہ آنے پائی۔ اور امیر نے بھی اپنی قوم و ملت کا خون بہانا مناسب خیال نہ کیا اس لئے وہ اپنی ملکہ کے ساتھ ایک موٹر پر سوار ہو کر حدودِ افغانستان سے نکل گئے۔ چنانچہ پایہ تخت بچہ سقہ کی ڈاکو فوج کے قبضہ میں آ گیا۔ اور وہ تختِ حکومت پر بیٹھا

بچہ سقہ اور اس کے ہمراہی جن کا مرغوب مشغلہ قتل و غارت رہا تھا۔ حکمرانی کے اصولوں سے کیونکر بہرہ ور ہو سکتے تھے؟ اس نے اپنی جو حکومت مرتب کی۔ اس میں اپنے ہمراہیوں کو بڑے بڑے مناصب پر فائز کیا جنہوں نے رعایا پر بے پناہ ستم توڑے۔ اور چند روز تک ملک میں لوٹ مار کی گرم بازاری رہی۔ لوگ قحط سے مرنے لگے۔ اور بھرے بازار ہُو کا منظر پیش کرنے لگے۔

"غازی امیر نادر خان شہید"

غازی امان اللہ خان کی افواج کے قائدِ اعظم نادر خان تھے۔ جنہیں قدرت نے ایک سیاسی دماغ ودیعت کیا تھا۔ اور جن میں حکومت کرنے کی پوری صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ اس وقت فرانس میں قیام فرما تھے۔ جب انہوں نے بچے سقے کی کیفیت اور ملک کی زبوں حالی کی اطلاع سنی۔ تو استخلاصِ وطن کی قسم کھائی۔ انہوں نے چند قبائل کی اعانت سے بچے سقے کی فوج کو شکست فاش دی۔ اور رعایا کو اس کے مظالم سے نجات دلائی۔ اس کے بعد روساء قبائل نے آپ کو امارت کے لئے منتخب کیا۔ چنانچہ آپ تختِ حکومت پر متمکن ہوئے۔ اور ملک کی فلاح و بہبود کے لئے بے شمار جدید اصلاحات نافذ کیں۔ اور جہاں امیر امان اللہ خان غازی افغانوں جیسی اُجڈ قوم کو فوراً جدید نظامِ حکومت بہرہ اندوز کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی لئے افغانوں نے اسے ناگوار محسوس کیا۔ وہاں غازی نادر خان نے آہستہ آہستہ ملک کو صنعتی اور تعلیمی لحاظ سے جدت آشنا کیا۔

"ہز میجسٹی غازی نادر خان شہید کا زریں عہدِ حکومت"

آپ کے عہدِ حکومت میں ملک نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اور آپ نے افغانوں کو دنیا کی متمدن اقوام کے دوش بدوش کھڑا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آپ نے بے شمار نئے محکموں کا اجراء کیا۔ اور افغان فوج کو جدید ترین اسلحات سے لیس کیا۔ انہیں جدید طریقِ جنگ سے آشنا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

چنانچہ اس وقت ملک میں جو امن واماں کی خوشگوار ہوائیں چل رہی ہیں وہ سب آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں۔
آپ نے افغانستان میں پختہ سڑکیں تعمیر کرائیں، باغات لگوائے، کئی مدارس جاری کئے۔ محکمۂ معارف کو وسیع تر کیا۔ افغانوں کو جدید صنعتیں تیار کرنے کی طرف راغب کیا۔ الغرض آپ کا عہد حکومت ہر لحاظ سے مبارک اور زریں ہے۔

"شہادت"

آپ ایک صبح اپنے ملک کی ایک یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں تشریف فرما تھے۔ اور طلبار کو اسناد تعلیم فرما رہے تھے۔ کہ کسی بدبخت نے آپ کو پستول کی گولی سے شہید کر دیا۔ انا للّٰہ و انا علیہ راجعون۔

"اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ"

آپ کے بعد آپ کا جواں سال بیٹا تخت حکومت پر جلوہ افروز ہے جس کے عہد ہمایونی میں افغانستان دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ خدا آپ کا سایہ ہمیشہ رعایا پر سلامت رکھے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(صائب عاصمی)

لوگ کہتے ہیں کہ شوکت تھانوی

کی مزاح نگاری کا خاص موضوع بیوی ہے۔ اس سلسلے میں غالباً یہ
خبر دلچسپی سے سنی جائیگی کہ شوکت صاحب کے ناول کا نام ہی

بیوی

ہے۔ شریک حیات شوہر کیلئے لگام کا کام کرتی ہے۔ منہ زور سے منہ زور
شوہر اسی لگام کے اشاروں پر جنّت یا جہنّم دونوں کا راستہ اختیار کر سکتا
ہے۔ بیویاں اس ناول کو اس لئے پڑھیں کہ ان کو شوہر نوازی کے کچھ
گُر ہاتھ آجائیں گے اور شوہر اس لئے کہ وہی اس ناول کے ممدوح ہیں

قیمت عہ؍

شوکت تھانوی کا
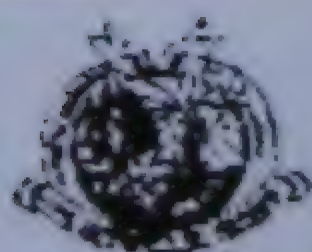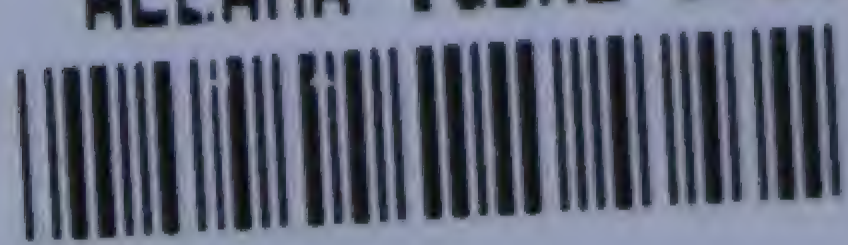
تازہ ترین ناول

انشاءاللہ

مزاح نگاری میں شوکت صاحب جس مقام پر پہنچ چکے ہیں۔
وہاں انہیں دیکھنے کے لئے اپنی پگڑی کو سنبھالنا پڑتا ہے۔
دراصل اب یہ بات ہمارے اور آپ کے بس کی نہیں۔ وُہ
بے ساختہ اور بلاتکلف مزاح پیدا کرتے ہیں کہ کچھ کہنے سننے کی
گنجائش ہی نہیں رہتی۔ "انشاءاللہ" میں اُنہوں نے یہی انداز اختیار
کیا ہے۔

قیمت صرف عہ